

کتابتِ مصاحف اور علم الضبط

علامات ضبط کی ابتداء، ارتقاء اور ان کے
زمانی اور مکانی امتیازات کا اجمالی جائزہ

پروفیسر احمد یار رحمہ اللہ کا یہ مضمون اُن کی کتاب 'قرآن و سنت..... چند مباحث' سے کچھ حذف و اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے، جس میں انہوں نے حوالہ جات کی وضاحت کے لیے آخر میں 'مفتاح المراجع' بھی دیئے ہیں۔ جن میں مقالے میں پیش کردہ حوالوں میں روایتی طریقے پر ہر ایک حوالے کے متعلق ضروری معلومات شامل ہیں، لیکن ہم 'مفتاح المراجع' کو اختصار کی غرض سے یہاں ذکر نہیں کر رہے۔ جو حضرات حوالوں سے متعلق وضاحت کے طالب ہوں وہ پروفیسر صاحب مرحوم کی اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔ [ادارہ]

- ① قرآن کریم کی درست تلاوت کے لیے اس کی درست کتابت ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اسی بناء پر اور صحت قراءت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کتابتِ مصاحف میں چند ایک امور کا التزام کیا جاتا ہے، مثلاً قواعد رسم و ضبط کی پابندی، علامات وقف و وصل کی درجہ بندی کی توضیح، آیات و فواصل (شمارِ آیات) کی تعیین اور سجداتِ تلاوت کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ مزید برآں قاری کی سہولت کے لیے سورتوں کے نام اور ہر سورت کے نام کے ساتھ کچھ تعارفی معلومات (مثلاً مکی و مدنی کا بیان) مختلف تقسیمات (مثلاً اجزاء، احزاب اور رکوعات) کی تصریحات اور ہر صفحے پر حوالہ کی آسانی کے لیے بعض علامتی اشارات بھی درج کئے جاتے ہیں۔
- ② تاہم مذکورہ بالا امور میں سے پیشتر کی حیثیت محض اضافی معلومات کی ہے۔ دراصل صحت کتابت کا معیار اور اس کی بنیاد تو علمِ الرسم ہے اور صحت قراءت کا دار و مدار بڑی حد تک علمِ ضبط پر ہے۔
- ③ اگر علمِ الرسم کا موضوع قرآن کا بجاء اور املاء ہے تو علمِ ضبط کا موضوع وہ علامات و نشانات (مثل حرکات، سکون، مد و شد وغیرہ) ہیں [الطراز ورق ۲ رب] جو کلمات قرآن کے درست تلفظ اور ان کی نقلی کیفیت کے تحفظ میں مدد دیتے ہیں۔ یہ مدد والی بات ہم نے اس لیے کی ہے کہ قرآن کریم کی صحیح قراءت اور اس کے کلمات و اصوات کے درست تلفظ کی تعلیم کا اصل طریقہ تو تلقی اور سماع کا ہے، جو آنحضرت ﷺ سے آج تک معمول بہ چلا آتا ہے۔ تنہا علاماتِ ضبط یعنی علم الضبط استاذ یا 'شیخ' کا بدل کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ضبط کی بعض خاص صورتوں میں علامات کی وضاحت کرنے کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ صحیح تلفظ استاذ (شیخ) سے شغوی طور پر سیکھا جائے۔ تاہم قراءت قرآن کی تعلیم کے دوران اور تعلیم کے بعد روزانہ تلاوت قرآن کے لیے کسی صحیح

کتابت والے مصحف (نسخ قرآن) کی ضرورت ہر مسلمان کو پڑتی ہے اور اس مقصد کے لیے کتابت کی صحت علم الضبط کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

علم الضبط کی تاریخ اور اس کے ارتقاء کی بات کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تین اصطلاحات کی وضاحت کر لی جائے جو کتابت مصاحف کے ضمن میں اکثر استعمال ہوتی ہیں اور جو عموماً 'ضبط' کے ہم معنی یا 'ہم مقصد' ہیں اور وہ یہ ہیں: ① نقطہ ② شکل اور ③ اعجام

● 'نقطہ' کے لغوی معنی تو کسی حرف پر نقطہ لگانا ہے، لیکن اصطلاحاً اس سے مراد وہ 'نظام نقطہ' ہے جو ہمارے موجودہ نظام حرکات کا پیشرو تھا اور جسے مشہور تابعی ابوالاسود دؤلی رضی اللہ عنہ نے کلمات قرآن کے جزوی ضبط کے طور پر ایجاد کیا تھا اور جس میں حرکات اور دیگر علامات ضبط کا کام نقطوں سے لیا جاتا تھا، (اور جس کا تذکرہ ابھی آگے بیان ہوگا۔)

● 'شکل' کے لفظی معنی جانور کے پاؤں میں زنجیر ڈالنے کے ہیں، مگر اصطلاحاً کلمات کو علامات اور حرکات سے مقید کرنا مراد ہوتا ہے اور اگرچہ 'شکل' کا لفظ 'ضبط' کی کسی بھی صورت کے لیے استعمال ہوتا ہے، تاہم زیادہ تر شکل سے مراد ضبط کلمات کا وہ طریقہ لیا جاتا ہے جو ٹکلیل بن احمد الفرہیدی رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا تھا۔ (اس کا بیان بھی آگے آ رہا ہے) جس عبارت کے ہر حرف پر حرکات اور علامات ضبط ڈالی گئی ہوں اسے 'مشکول عبارت' کہتے ہیں۔

● 'اعجام' کا اصل مطلب بھی کسی حرف پر نقطہ یا نقطے ڈال کر اسے دوسرے مشابہ حرف سے متمیز کرنا ہے، مثلاً درذ یا ت رث وغیرہ، چونکہ یہ بھی 'تلفظ' ہی کی ایک صورت بنتی ہے لہذا دونوں میں فرق کرنے کے لیے ابوالاسود رضی اللہ عنہ والے طریق نقطہ کو 'نقطہ الشكل' یا 'نقطہ الاعراب' کہتے ہیں اور دوسرے کو 'نقطہ الاعجام' کہتے ہیں۔ اگرچہ بعض قدیم مؤلفین نے اعجام کے لیے مطلقاً نقطہ کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ [مثلاً ابن درستویہ: ص ۵۳ بعد]

● ضبط کی اصطلاح ان تینوں اصطلاحات کے بعد وجود میں آئی۔ علم الضبط میں عموماً نقطہ اور شکل کے قواعد سے بحث کی جاتی ہے اور اعجام کا ذکر اس میں کم ہی کیا جاتا ہے۔ تاہم تاریخی عمل کے لحاظ سے اعجام بھی تحریک ضبط قرآن کا ہی ایک حصہ تھا۔ [دیکھئے: غانم: ص ۹۰-۲۸۸ اور المحکم مقدمہ محقق: ص ۲-۲۶] اور اسی تحریک کے اسباب و دواعی یعنی علم الضبط کی ضرورت اور اس کے ارتقاء کا جائزہ ہی اس وقت ہمارا موضوع بحث ہے۔

⑤ قرآن کریم کی یہ (عہد نبوی میں) کتابت عربی خط میں تھی۔ اس وقت تک عربی زبان کی ابجد بنیادی طور پر اور تعلیم کتابت کی حد تک صرف اٹھارہ حروف پر مشتمل تھی، بلکہ متصل لکھنے کی صورت میں حروف کی یہ بنیادی شکلیں صرف پندرہ ہی رہ جاتی تھیں۔ حروف کی یہ اٹھارہ یا پندرہ صورتیں اٹھائیس آوازوں کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ [ابن درستویہ: ص ۶۶، الخلیفہ ص ۲ اور المورد: ص ۲۲۳] کیونکہ ان حروف میں سے اکثر کی ایک سے زائد آوازیں تھیں، انگریزی S, H, G, C کی طرح، مثلاً 'ب' ت اور ث کے لیے اور 'ج' اور خ کے لیے، بلکہ بعض حرفی رموز پانچ آوازوں تک کے لیے استعمال ہوتے تھے، مثلاً ایک نمبرہ (دندانہ) 'ا' ہی ب ت ث ن اور ی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ صرف چھ حروف 'اک ل م و ا و ہ' ایسے تھے جو اپنی صرف ایک آواز رکھتے تھے۔ عرب کے لکھے پڑھے لوگ اپنے علم زبان کی بناء پر مختلف حروف کی مطلوبہ آواز پہچان کر پڑھ سکتے تھے، مثلاً لفظ

’حرب‘ کو حسب موقع حرب (جنگ)، حرث (کھیتی)، جرب (خارش)، حزب (گروہ) یا خرب (ویران) اسی طرح بآسانی پڑھ لیتے تھے، جیسے ایک انگریزی دان حسب موقع H یا I یا J درست آواز جان لیتا ہے یا عبارت میں Read اور Lead کی قسم کے الفاظ کا مطلوبہ درست تلفظ سمجھ جاتا ہے۔

⑥ عہد نبوی کے بعد عہد صدیقی میں سرکاری اہتمام سے ’اُمّ یا ماسٹر کاپی کے طور پر قرآن کریم کا ایک نسخہ تیار کیا گیا جسے ’مصحف‘ کا نام دیا گیا اور اس کے بعد سے لفظ ’مصحف‘ بمعنی نسخہ قرآن استعمال ہونے لگا۔

عہد عثمانی میں اسی ماسٹر کاپی (مصحف صدیقی) سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک بورڈ کی زیر نگرانی (کم از کم) چھ مصاحف پر مشتمل ایک نیا قرآنی ایڈیشن تیار کیا گیا۔ ان میں سے ایک ’مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی ذاتی نگرانی میں رکھا اور ایک ایک ’مصحف مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور دمشق کی مرکزی مساجد میں پبلک کے استفادہ کے لیے رکھا گیا، تاکہ لوگ ان نسخوں سے اپنے لیے ذاتی مصاحف تیار کر سکیں، کیونکہ اب یہی مصاحف باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم امت کے لیے صحت کتابت کا معیار قرار دیئے گئے تھے۔ ان مصاحف کی تیاری کا ایک معروف واقعہ ہے اور اس کی تفصیلات اس وقت موضوع بحث بھی نہیں، البتہ ہمارے موضوع کی مناسبت سے ان مصاحف کے ضمن میں دو باتیں قابل ذکر ہیں:

● **اولاً:** یہ کہ ان مصاحف کی کتابت بھی عربی حروف کی ان اٹھارہ صورتوں کے ساتھ ہوتی تھی لیکن ان میں حرکات تو درکنار، مشابہ حروف کو متمیز کرنے کے لیے لفظی بھی نہیں لگائے گئے تھے۔ [صدفی ج: ۱۳، الجبوری: ۱۵۵، المنجد ج: ۱۲۶ اور غانم: ۲۶۸] تاہم کاتبین مصاحف عثمانی نے ان نسخوں (مصاحف) میں حروف کو نقطوں سے بھی مطلقاً عاری رکھا۔ اکثر اہل علم کے نزدیک یہ تجرید اور تقریر عہد اور دانستہ تھا اور اس سے کوئی حکمت اور مصلحت (مثلاً احتمال القراءاتین) وابستہ تھی، جبکہ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ اس زمانے میں شائع عام طریق کتابت کا ایک مظہر تھا۔ بہر حال وجہ جو بھی تھی یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ یہ مصاحف نقطہ اور اعجام سے معریٰ تھے اور اسی لیے ہر ایک نسخہ کے ساتھ پڑھانے والا ایک مستند قاری معلم بھی بھیجا گیا تھا۔ [حق التلاوة: ص ۱۴۴]

● **ثانیاً:** یہ کہ یہی مصاحف عثمانی اس وقت سے لے کر آج تک دنیا بھر میں موجود مصاحف (قرآنی نسخوں) کی اصل ہیں۔ قرآن کریم کا ہر نسخہ بنیادی رسم الخط (Spelling) کی حد تک ان مصاحف عثمانی میں سے کسی ایک یا ان سے ہو، بوقلمون کردہ کسی ایک نسخے کے عین مطابق ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔ اسی کو رسم عثمانی کا التزام کہا جاتا ہے اور جو درحقیقت ’رسم عہد نبوی‘ کا التزام ہے۔ [غانم: ص ۳۶۷]

ان چھ نسخوں (مصاحف) میں سے کوئی اس وقت دنیا میں موجود ہے یا نہیں۔ یہ ایک متنازعہ معاملہ ہے، لیکن ان چھ نسخوں کی صورتی کیفیات، ان کی المائی خصوصیات اور بعض جزوی اختلافات کے بارے میں اتنے دقیق تقابلی ملاحظیات تک کی اتنی تفصیلات ہم تک پہنچی ہیں کہ اگر آج کہیں ان نسخوں میں سے کسی ایک کی موجودگی کا دعویٰ کیا جائے تو اس کی صحت یا عدم صحت کو ان تفصیلات کی روشنی میں پرکھا جاسکتا ہے۔ کتابتِ مصاحف میں ان نسخوں کے رسم الخط اور طریق ہجاء سے کوئی ادنیٰ سا اختلاف بھی اہل علم کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ [لنگز (۱): ص ۱۱]

⑦ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایڈیشن یعنی مصاحف کی تیاری کے قریباً چالیس سال بعد تک دنیا کے اسلام میں قرآن کریم کی کتابت اسی طرح بغیر نقاط اور بغیر حرکات کے جاری رہی۔ [الزنجانی: ص ۸۹، الجبوری ص ۱۵۸۔ الکودی ص ۹۳، غانم ص ۵۳۹ بعد] تاہم قرآن کریم کی تعلیم عہد رسالت سے ہی محض تحریر کی بجائے تلقی اور

سماع پر مبنی ہونے کے باعث اس کی قراءت اور تلاوت عموماً درست ہی رہی۔ بالکل ایسے ہی جیسے انگریزی میں Cut یا Food یا Foot کی قسم کے لفظوں میں تلفظ کا فرق معلم کی شنوئی تعلیم پر منحصر ہے، نہ کہ طریق املاء اور بجاء پر۔

۸ پہلی صدی ہجری کے نصف آخر تک لاکھوں غیر عرب بھی اسلام میں داخل ہو کر قرآن بلکہ عربی زبان بھی سیکھ رہے تھے۔ کسی زبان کی صرف قراءت کی تعلیم بلکہ اس کا عام بول چال میں استعمال تک بھی کسی آدمی کو اہل زبان کی سی مہارت عطا نہیں کر سکتا۔ عراق، شام اور مصر اس وقت تک اگرچہ بڑی حد تک عربی بولنے والے علاقے بن چکے تھے، مگر عوام میں جہاں لکھن کے ساتھ عام عربی بولنے کا رواج بڑھا وہاں ساتھ ہی قرآن کریم کی تلاوت میں بھی اس غلط عربی دانی کا مظاہرہ ہونے لگا۔ آج بھی صرف دارجہ یعنی عوامی زبان بولنے والے ناخواندہ عرب قرآن خوانی میں ایسی غلطیاں عام کر جاتے ہیں۔

۹ باتفاق روایات ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ تابعین میں سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم نحو کی بنیاد ڈالی اور ساتھ ہی قرآن مجید میں نقطوں کے ذریعے شکل (حروف کی آواز کو علامات کے ذریعے متعین کرنا) کے ایک نظام کی ابتداء کی۔ [مختلف روایات کے حوالوں کے لیے دیکھئے: غانم ص ۳۹۱ اور ابوالاسود رحمہ اللہ کی شخصیت کے تعارف کے مصادر کے لیے اسی (غانم) کا ص ۹۸-۳۹۷ (حواشی نمبر ۳۳ تا ۲۱)، نیز الأعلام جلد سوم ص ۳۳۹] ابوالاسود رحمہ اللہ کے اس کام پر آمادہ ہونے کے محرکات کی مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس کا باعث ان کا عبید اللہ بن زیاد رحمہ اللہ کا اتالیق ہونا بنا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایک موقع پر انہوں نے خود اپنی بیٹی کو غلط عربی بولتے سنا۔ تیسری وجہ یہ ہوئی کہ کسی عدالت میں مدعی نے اپنا کیس بالکل غلط عربی میں پیش کیا۔ چوتھی اور مشہور روایت، جس کا تعلق بھی براہ راست قرآن سے ہے یہ ہے کہ انہوں نے کسی آدمی کو سورۃ التوبہ کی تیسری آیت میں لفظ "ورسولہ" ہر کے ساتھ پڑھتے سنا۔ [الجبوری ص ۱۵۱، غانم ص ۳۵۱، الفہرست ص ۶۰، الکردی ص ۸۶، ۸۵] ممکن ہے یہ ساری وجوہ ہی درست ہوں، جن کی بنا پر ابوالاسود رحمہ اللہ نے نحو کے کچھ قواعد بھی مرتب کرنے کی ابتداء کی۔ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے تیس آدمیوں کا انٹرویو لینے کے بعد ایک نہایت درست لہجے اور صاف تلفظ والے سمجھدار پڑھے لکھے آدمی کا انتخاب کیا۔ [الزنجانی: ص ۸۸] ایک مصحف دے کر اسے اپنے سامنے بٹھایا اور خود آہستہ آہستہ قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ شخص مذکورہ کو الفاظ کے تلفظ کے وقت قاری کے منہ، ہونٹوں اور زبان کی حرکات کے لیے حروف پر مختلف جگہ پر سرخ سیاہی سے ایک خاص انداز میں نقطے لگانے کی ہدایت کی۔ ایک دن یا ایک مجلس میں کئے ہوئے کام پر وہ خود نظر ثانی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پورے قرآن مجید پر نقاط شکل لگانے کا کام مکمل ہو گیا۔

۱۰ ابوالاسود رحمہ اللہ کے کام کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱ انہوں نے حروف کی آواز (حرکت) کو نقطوں سے ظاہر کیا۔

۲ یہ نقطے قرآن کی کتابت میں استعمال شدہ (کاپی) سیاہی سے مختلف رنگ میں لگائے گئے۔ بالعموم یا کم از کم ابتداء میں، ان علامتی نقطوں کے لیے سرخ رنگ ہی استعمال کیا گیا۔

۳ زبر (فتح) کے لیے متعاقب حروف کے اوپر ایک نقطہ، زیر (کسرہ) کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ اور پیش (ضمہ) کے لیے حرف کے سامنے یعنی آگے بائیں طرف ایک نقطہ اور تنوین کے لیے دو دو نقطے مقرر کئے گئے۔

❶ ابوالاسودؓ نے ابتداء صرف حرکات ثلاثہ اور تنوین کو ہی نقطوں سے ظاہر کیا۔ [المقنع: ص ۱۲۵] (باقی علامات بعد کی ایجاد ہیں) کتابت مصاحف میں اصلاح یا تکمیل رسم عثمانی کے لیے علامات مضبوط مقرر کرنے کی یہ پہلی کوشش تھی اور یہ علامات بھی تمام الفاظ کی بنائی حرکات کے لیے نہیں، بلکہ زیادہ تر صرف اعرابی حرکات کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کی گئی تھیں اور اس لیے ہی اسے نقطۃ الاعراب کہتے تھے۔

❷ ابوالاسودؓ کا یہ طریقہ بہت جلد کوفہ کے بعد بصرہ اور پھر مدینہ منورہ تک کے مصاحف میں استعمال ہونے لگا۔ اگرچہ نقطوں کے لیے مختلف شکل اور مختلف جگہ بھی استعمال ہونے لگی، مثلاً کوئی نقطہ کو گول رکھتا اور اسے 'النقط المدور' بھی کہتے تھے۔ بعض نقطے کو مربع شکل میں لکھتے اور بعض اسے اندر سے خالی گول دائرہ (o) ہی بنا دیتے۔ [الکردی: ص ۸۷، الجبوری ص ۱۵۳] مکہ مکرمہ میں ضمہ (پیش) کا لفظ حرف کے بائیں طرف سامنے کی بجائے اوپر اور فتح (زبر) کا لفظ حرف کے اوپر کی بجائے اس سے پہلے دائیں طرف لگانے کا رواج ہو گیا۔ [المنجد: ص ۱۲۷]

کتابت مصاحف میں علامات ضبط کا یہ پہلا تنوع تھا، جس کی بنا پر عموماً یہ پتہ چل جاتا تھا کہ کس مصحف کی کتابت کس شہر یا کس علاقے میں ہوئی ہے۔

❸ ابوالاسودؓ کی اس 'اصلاح' کے باوجود ابھی تک یکساں صورت رکھنے والے حروف کی باہمی تمیز کے لیے کوئی تحریری علامت نہیں تھی اور ان کی درست قراءت کا انحصار تلقی و سماع پر ہی تھا۔ [صفدی: ص ۱۳] عبدالملک اُمویؓ کے زمانے میں جب عربی کو دفتری زبان بنادیا گیا تو نہ صرف قرآن کریم، بلکہ عام عربی تحریر کو بھی اس التباس سے بچانا ضروری معلوم ہوا۔ خلیفہ کی اس خواہش کو عراق کے گورنار جاج بن یوسف نے یوں پورا کیا کہ اس کے حکم پر بصرہ کے علماء میں سے ابوالاسودؓ ہی کے دو شاگردوں نصر بن عاصمؓ اور یحییٰ بن یَعْمَرؓ نے عربی زبان کے اب تک رائج اٹھارہ حروف کو ان کی آوازوں کے مطابق اٹھائیں حروف میں بدلا اور چھوٹے چھوٹے نقطوں کے ذریعے متشابہ حروف کو باہم متمیز کر دیا۔ خیال رہے کہ ان اٹھائیں حروف کے ان کی آوازوں کے لحاظ سے نام پہلے سے الگ الگ موجود تھے۔ صرف ان کی کتابت کی شکلیں اٹھارہ تھیں، مثلاً 'ح' کو ہی ج ح خ کہتے تھے۔ حروف پر اس قسم کے نقطے لگانے کے عمل کو 'اعجام' کہتے ہیں۔ حرکات اور اصوات کے لیے الدولیؓ کے رائج کردہ نقطوں کے برعکس، اعجام کے نقطے اسی سیاق سے لگانے تجویز ہوئے، جس سے اصل متن لکھا گیا ہو۔ [قصۃ ص ۵۲، الزنجانی ص ۹۰] کتابت مصاحف میں حروف کی باہم پہچان اور تمیز کے لیے یہ دوسری اصلاحی کوشش تھی۔

❹ ان دونوں قسم کے نقطوں میں فرق کرنے کے لیے الگ الگ اصطلاحات تھیں۔ پہلے (ابوالاسودؓ والے) طریقے کو نقط الحركات، نقط الاعراب یا نقط الشكل کہتے تھے، جبکہ دوسری قسم (نصرؓ اور یحییٰؓ کے طریقے پر حروف کے نقطے لگانے) کو نقط الاعجام کہتے تھے۔

❺ اس فن کی کتابوں میں مختلف حروف کے لیے مختلف تعداد کے نقطے (ایک، دو یا تین) اور ان کی جگہیں (اوپر یا نیچے) مقرر کرنے کی دلچسپ وجوہ اور اعجام کی مختلف صورتیں بھی بیان کی گئی ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ [تفصیل کے لیے دیکھئے: ابن درستی ص ۵۴، بعد، المحکم ص ۳۵، بعد، الکردی ص ۹۵-۹۴، غانم ص ۵۵۶، بعد اور

فضائل ص ۱۳۷] البتہ ایک اور بات جو خصوصاً قابل ذکر ہے، اگرچہ اس کا تعلق براہ راست علامات ضبط سے نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ نصر رحمۃ اللہ علیہ اور یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے حروف تہجی کی روایتی أبجد ہوز حطی والی عبرانی ترتیب بدل کر ان کو تقریباً یہ ترتیب دی، جو اب تک ہمارے ہاں رائج ہے۔ ترتیب میں یہ تبدیلی دراصل اس مقصد کے لیے عمل میں لائی گئی تھی تاکہ یکساں صورت والے حروف کو یکجا کر دیا جائے۔

[الخط العربی ص ۱۲، الکلاص ص ۵۲، بحوالہ الرافعی، فضائل ص ۱۳۸، غانم ص ۵۷، بحوالہ البلوی]

۱۴ ابوالاسود رحمۃ اللہ علیہ کے نقطوں کی طرح یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اور نصر رحمۃ اللہ علیہ یا حجاج کے نقاط حروف اور ترتیب تہجی بھی حجاز کے راستے مغرب میں بھی قدرے اختلاف یا تنوع کے ساتھ اختیار کر لیے گئے، مثلاً مغرب میں 'ف' کے سرے کے نیچے ایک نقطہ اور 'ق' کے اوپر ایک نقطہ مثل 'ف' اختیار کیا گیا۔ وہاں کسی لفظ کے آخر پر واقع ہونے کی صورت میں ف ق ن اور ی کو کسی قسم کے علامتی نقطوں کے بغیر لکھا جانے لگا۔ اسی طرح اہل مغرب (خیال رہے اسلامی تاریخ میں مغرب سے مراد مصر کے علاوہ تمام افریقی ممالک اور اندلس ہوتے ہیں، آج کل صرف مراکش کو بھی مغرب کہہ لیتے ہیں) کے ہاں عربی کے حروف تہجی کی ترتیب بھی مختلف رائج ہو گئی۔ اہل مشرق (مصر اور تمام ایشیائی ممالک) میں تو یہ ترتیب یوں ہے: ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ص ض ط ظ ع غ ف ق ک ل م ن و ہ (بعض جگہ و) اور ی۔ اس کے برعکس مغرب میں 'ز' کے بعد سے یہ ترتیب اختیار کی گئی: ط ظ ک ل م ن ص ض ع غ ف س ش ہ و ی [المحکم ص ۳۶، المصنوع ص ۳۳۵ و ۳۳۸]

۱۵ عباسی دور کے ابتدائی کئی برسوں بلکہ تقریباً ایک صدی تک کتابت مصاحف کا یہی طریقہ رائج رہا، یعنی حرکات بذریعہ رنگدار نقاط اور حروف کے نقطے مقابلہ ان سے ذرا چھوٹے نمک کتابت متن والی سیاہی سے لکھنا، تاہم یہ دو دو قسم کے نقطے لکھنے اور پڑھنے والے، ہر دو، کے لیے صعوبت اور التباس کا سبب بنتے تھے، اس لیے آہستہ آہستہ اعیان کی نقطے محض قلم کے قط کے برابر بلکی ترچھی لکیروں کی صورت میں ظاہر کئے جانے لگے۔ [غانم ص ۲۲-۵۶۱] البتہ جب عربی خط میں تحسین و جمال کے پہلو ظاہر ہوئے اور مختلف حسین و جمیل اقلام (اقسام خط) ایجاد ہوئے تو نقط اعیان کے لیے بھی تحریر کے حسن و جمال اور حروف کے ہندی تناسب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، مناسب قط اور نقاط کی وضع اور شکل کے لیے بھی خوشخطی کے قواعد مقرر کر لیے گئے۔

۱۶ دریں اثناء، ابوالاسود رحمۃ اللہ علیہ اور یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ و نصر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور تبعین نے اس طریقے (نقط الاعراب) کو وسعت دیتے ہوئے کچھ مزید علامات وضع کیں، مثلاً 'سکون' کے لیے چھوٹی سی افقی (سرخ) لکیر یا ریک قلم سے حرف کے اوپر یا نیچے مگر اس سے الگ لگانے لگے۔ [المحکم (مقدمہ محقق) ص ۳۹ جہاں رنگدار نمونہ بھی دیا گیا ہے] اسی طرح 'تشدید' کے لیے حرف کے اوپر قوس کی افقی شکل () کا نشان اختیار کیا گیا، جس کے دونوں سرے اوپر اٹھے ہوتے تھے۔ حرف منون پر فتح (زیر) کی صورت میں سرخ نقطہ اس قوس کے اندر () کسرہ (زیر) کے لیے نیچے () اور ضمہ (پیش) کے لیے یہ نقطہ قوس کے دائیں سرے کے اوپر لگاتے ()۔ پھر کچھ عرصہ بعد علامات تشدید والی قوس () پر حرف منون کی حرکت کے لیے نقطہ لگانا ترک کر دیا گیا اور اس کی بجائے مشدود مفتوح حرف کی صورت میں قوس تشدید حرف کے اوپر () اور مکسور مشدود کے لیے حرف کے نیچے الٹی قوس () اور مشدود (مضموم

کے اوپر اوندری شکل کی قوس () بنانے لگے۔ [المجبوری ص ۱۵۳، الکردی ص ۸۷-۸۶، الزنجانی ص ۸۸ اور عبود ص ۲۰، المنقح ص ۱۳۰] اس کا نمونہ دیکھئے آربری پلیٹ نمبر (اول) اس کے بعد علامت تشدید کے طور پر صرف وال مقلوبہ () بھی استعمال ہونے لگی۔ [دیکھئے حوالہ نمبر ۳ مذکورہ بالا۔ نیز دیکھئے یہی کتاب (المحکم ص ۵۰ بعد اور الطراز ورق ۲۸ الف و ب جہاں اس کو تشدید اہل مدینہ کہا گیا ہے۔]

(۱۷) نقاط کی مشابہت سے پیدا ہونے والے التباس کے امکان کو کم کرنے کے لیے اور کتابت میں بیک وقت متعدد سیاہیوں کے استعمال کی صعوبت سے بچنے کے لیے ایک اور اصلاح کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ [قصہ ص ۵۲، صفدی ص ۱۳، فضائلی ص ۱۳۸، الکردی ص ۹۱، غانم ص ۵۰۵ بعد] مشہور بخوی اور وضع علم العروض الخلیل بن احمد الفراهیدی رحمہ اللہ [م ۱۷۰ھ] نے وقت کی اس ضرورت کوئی علامات ضبط ایجاد کر کے پورا کیا اور یہی وہ علامات ضبط ہیں جو کم و بیش آج بھی ہر جگہ نہ صرف کتابت مصاحف میں بلکہ کسی بھی مشکوٰۃ عربی عبارت کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

(۱۸) الخلیل رحمہ اللہ نے نقط اعجام کو متن کی سیاہی سے لکھنا، اسی طرح برقرار رکھا بلکہ اس نے حروف کے نقطوں کی تعداد اور ان کی جگہ کے تعین کے اسباب و علل بھی بیان کئے۔ [تفصیل کے لیے دیکھئے: المحکم ۳۶-۳۵ اور غانم ص ۵۵۵ بعد] البتہ اس نے الشکل بالنقاط کی بجائے الشکل بالحرکات کا طریقہ ایجاد کیا، یعنی فتح (زبر) کے لیے حرف کے اوپر ایک ترچھی لکھیر (ـَ)، کسرہ (زیر) کے لیے حرف کے نیچے ایک ترچھی لکیر (ـِ) اور ضمہ (پیش) کے لیے حرف کے اوپر ایک مخفف سی واؤ کی شکل (ـُ) لگانا تجویز کیا اور تینوں کے لیے ایک کی بجائے دو دو حرکات (ـَ ـِ) مقرر کیں۔

● ان حرکات ثلاثہ کے علاوہ الخلیل رحمہ اللہ نے پانچ نئی علامات ضبط ایجاد کیں یا ان کے لیے حرکات ثلاثہ کی طرح ایک نئی صورت وضع کی۔ الخلیل رحمہ اللہ کی علامات دراصل حرکت کی صوتی مناسبت سے کسی باریک سے حرف یا علامت کے نام یا اس کے کسی حصے کی مخفف شکل تھیں۔ گویا ہر علامت ضبط اپنے مدلول پر دلالت کرتی تھی، مثلاً الخلیل رحمہ اللہ نے فتح کے لیے 'الف صغیرہ مبطوحہ' (چھوٹا سا ترچھا الف)، کسرہ کے لیے 'باء مخفف سرا' (ـِ) اور ضمہ کے لیے 'واؤ کی مخفف صورت اختیار کی'۔ [الطراز ورق ۵/ب، الکردی ص ۹۱] اسی طرح اس نے سکون کے لیے حرف ساکن کے اوپر 'ہ' یا 'ح' کی علامت وضع کی، جو لفظ جزم کے ج یا م کے سرے کا مخفف نشان ہے۔ شدہ یا تشدید کے لیے اس نے حرف مشدود کے اوپر 'و' لگانا تجویز کیا، جو 'ش' کے سرے سے ماخوذ ہے۔ مدہ یا تمدید کے لیے حرف مدود کے اوپر 'آ' کی علامت اختیار کی جو دراصل لفظ 'مدہ' کی دوسری یا مخفف شکل ہے۔ اسی طرح 'ہمزہ الوصل' کے لیے الف کے اوپر 'و' یعنی 'صلہ' کے 'ص' کی ایک صورت اور 'ہمزہ القطع' کے لیے 'أ' کی علامت وضع کی، جو حرف عین (ع) کے سرے سے ماخوذ ہے۔ کہتے ہیں کہ الخلیل رحمہ اللہ نے روم اور اشام کے لیے بھی علامات وضع کی تھیں۔

(۱۹) الخلیل رحمہ اللہ کی ایجاد کردہ علامات کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں کتابت کے لیے دو سیاہیاں استعمال کرنا لازمی نہ تھا بلکہ متن (قرآن) اور علامات ضبط سب ایک ہی سیاہی سے لکھے جانے لگے۔ اس سے کتابت میں صعوبت اور قراءت میں التباس کے امکانات کم تر ہو گئے۔ اس لیے یہ طریقہ بہت جلد مقبول ہو گیا۔ آج کل دنیا

بھر میں کتابت مصاحف کے لیے علامات ضبط کا یہی طریقہ رائج ہے۔ البتہ ضرورتاً اور بعض جگہ رواجاً اس میں مزید اصلاحات اور ترمیمات کا عمل جاری رہا۔ الخلیل رحمہ اللہ کی وضع کردہ علامات ضبط، کتابت مصاحف میں علامات ضبط کی اصلاح یا تکمیل کی تیسری کوشش تھی جو ایک بڑے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

[دیکھئے حوالہ نمبر ۴۹ مذکورہ بالا]

۴۹ جب الخلیل بن احمد الفراء ہمدانی رحمہ اللہ نے دوسری صدی ہجری کے اواخر میں علامات ضبط کا یہ نیا طریقہ وضع کیا، تو اس وقت تک ابوالاسود رحمہ اللہ کا ایجاد کردہ طریقہ نقط (نقط) کتابت مصاحف کے لیے پوری دنیا کے اسلام کے مغربی اور مشرقی حصوں میں استعمال ہو رہا تھا، بلکہ اس میں مزید اصلاحات اور نئی نئی علامات کی ایجاد سے یہ طریقہ زیادہ مکمل اور قرآن کریم کی قراءت اور تجوید کی بہت سی ضرورتوں اور تطقی و صوتی تقاضوں کے لیے کافی و مکتفی بن چکا تھا۔ اس لیے شروع میں کافی عرصہ تک لوگ کتابت مصاحف کے لیے الخلیل رحمہ اللہ کے طریقے کی بجائے ابوالاسود رحمہ اللہ والے طریق نقط کا استعمال ہی جائز سمجھتے تھے۔ الخلیل رحمہ اللہ کا طریقہ کافی عرصہ تک صرف کتب شعر اور دیگر غیر قرآنی عربی عبارات میں استعمال ہوتا تھا، بلکہ اسی وجہ سے اور شکل المصحف کے طریقہ نقط سے ممتاز کرنے کے لیے اسے شکل الشعر (یعنی شعروں میں حرکات لگانے کا طریقہ) بھی کہتے تھے۔ دونوں قسم کے 'شکل' کی صورتی خصوصیات کی بنا پر ابوالاسود رحمہ اللہ والے طریقے کو الشكل المدور اور موخر الذکر کو الشكل المستطیل بھی کہتے تھے۔

۵۰

۵۰ مغرب یعنی سپین اور افریقی ممالک میں تو کتابت مصاحف کے لیے علامات ضبط کے طور پر ابوالاسود رحمہ اللہ کے طریق نقط کو ایک قسم کی تقدیس کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ [۴۴۴ھ]، جو رسم عثمانی اور علامات ضبط بذریعہ النقط المدور کے بہت بڑے عالم تھے اور ان فنون میں انہوں نے یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، وہ اپنی کتاب 'المحکم فی نقط المصاحف' میں الخلیل رحمہ اللہ کے طریقے کے کتابت مصاحف میں استعمال کو بدعت اور ابوالاسود رحمہ اللہ والے طریقے کو 'طریق سلف' قرار دیتے ہیں اور بڑی دلیل ان کی یہ ہے کہ یہ طریقہ (یعنی نقط) ایک تابعی بزرگ (ابوالاسود رحمہ اللہ) نے شروع کیا تھا اور انہوں نے کتابت علامات کے لیے اپنے منتخب کاتب سے 'فانقط' اور 'اجعل نقطة' یعنی میری ہدایت کے مطابق نقطے لگاؤ، کے الفاظ کہے تھے۔ [المحکم ص ۴۳، نیز غانم ص ۵۰ ببعد]

۶۱ تعلیمی اور تدریسی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے الخلیل رحمہ اللہ کا طریقہ یقیناً بہتر تھا اور ایک سیاہی کے استعمال کے باعث اس میں ایک سہولت بھی تھی، اس لیے بہت جلد یہ کتابت مصاحف میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔ عالم اسلام کے مشرقی حصے میں تو اس نے مکمل طور پر ابوالاسود رحمہ اللہ اور ان کے تبعین کے طریق نقط کی جگہ لے لی۔ خصوصاً خط نسخ کی ایجاد اور کتابت مصاحف میں اس کے استعمال کے بعد سے تو الخلیل رحمہ اللہ کے طریقے کو ہی قبول عام حاصل ہوا۔ علامات ضبط بذریعہ نقاط کا طریقہ خط کوئی (جو کتابت مصاحف میں مستعمل خط جمیل کی پہلی صورت تھی) کے لیے تو زیادہ موزوں تھا، اس لیے کہ خط کوئی اکثر و بیشتر جلی قلم سے لکھا جاتا تھا۔ خط نسخ میں بالعموم نسبتاً باریک قلم استعمال ہوتا تھا اور اس کے لیے نقط بذریعہ حرکات کا طریقہ ہی زیادہ موزوں تھا اور شاید یہ بھی ایک وجہ تھی کہ آہستہ آہستہ اس کا رواج بلاد مغرب میں بھی ہو گیا۔ مشرق اور مغرب میں ساتویں صدی

ہجری تک کے لکھے ہوئے بعض ایسے مصاحف نظر آتے ہیں، جن میں علامات ضبط بعض دفعہ دونوں طریقوں سے ملی جلی بھی استعمال کی گئی ہیں اور بعض علماء ضبط سے اس کی اجازت بھی ثابت ہے۔ [غانم ص ۵۲۲]

(۲۴) ابھی یہ بتایا جا چکا ہے کہ نقاط کے ذریعے شکل المصاحف کا طریقہ طویل استعمال اور قریباً تین صدیوں کی اصلاحات کی وجہ سے قراءت اور تجوید کی اکثر و بیشتر ضروریات کے لیے زیادہ موزوں اور مکمل و معنسی 'نظام ضبط' بن چکا تھا، بلکہ اس دوران قراءت سبعہ کی تدوین بھی عمل میں آ گئی اور نقط و شکل کا یہ طریقہ مختلف روایات، مثلاً حفص، قالون، ورش اور الدوری وغیرہ کی مختص نطقی اور صوتی کیفیات کی رعایت کے لیے بھی موزوں کر لیا گیا۔ [ماہرین فن فنون کی مخصوص کتابوں کے ذریعے تمام ہی قراءات کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ہم نے صرف چار روایات کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ زیادہ تر یہی مختلف علاقوں میں رائج ہو گئی تھیں اور ان علاقوں میں عوام کے لیے تیار کردہ مصاحف میں حسب روایت ہی ضبط کا خیال رکھنا پڑتا تھا اور قراءات کا یہ انتشار اور رواج اب تک جاری ہے، مثلاً اس وقت حفص کی روایت تمام ایشیائی ممالک اور مصر میں، قالون کی روایت لیبیا اور تیونس میں، ورش کی روایت مراکش، نائیجیریا اور غانا میں اور الدوری کی روایت یمن اور سوڈان میں رائج ہے اور ان روایات و قراءات کے مطابق مصاحف مطبوعہ دستیاب ہیں۔] اس لیے الخلیل رحمہ اللہ کے طریقے کے متبعین نے بھی اس قسم کی تمام ضروریات کے لیے نقط المصاحف کے اس طریقہ کے اصول اور قواعد کو ہی اپنا رہنما بنایا، مثلاً پرانے طریقے کے مطابق 'اظہار' کے لیے تنوین رفع و نصب کی صورت میں حرف منون کے اوپر اور تنوین جر کے لیے حرف کے نیچے۔ دو مزاکب (اوپر نیچے) نقطے (:) لگائے جاتے تھے اور انشاء کے لیے اسی طرح حرف کے اوپر یا نیچے دو متتابع (آگے پیچھے) نقطے (..) لگائے جاتے تھے۔ [المقنع: ص ۱۲] نقط بالحرکات کی صورت میں اظہار کے لیے کتابت تنوین مکرر حرکات کی یہ شکل اختیار کی گئی: (ٓ - ٓ) اسے اصطلاح میں 'ترکیب' کہتے ہیں اور انشاء کے لیے اس سے مختلف صورت لے لی گئی: (ٓ - ٓ) اور اسے اصطلاح میں 'انباع' کہتے ہیں۔ [الطراز ورق ۱۲] نیز دیکھئے: المحکم ص ۷۲ جہاں اسے نقط علی الطول اور 'نقط علی العرض' کہا گیا ہے۔ اسی طرح ادغام، اقلاب، امالہ وغیرہ کے لیے نقط کے پرانے طریقہ کو ضرورت کے مطابق ڈھال لیا گیا، مثلاً پہلے نون ساکنہ یا قبل با (ب) کے اقلاب بمیم کے لیے 'ن' کو علامت سکون سے اور 'ب' کو علامت تشدید سے معری رکھتے تھے یا 'ن' پر سرخ سیاہی سے چھوٹی سی میم (م) بنا دیتے تھے۔ نقط بالحرکات میں اسی دوسرے طریقے کو اپنا لیا گیا۔ [المحکم ص ۷۶-۷۵ اور الطراز ورق ۷۱] عرب

علم الضبط کی تدوین

(۲۵) علم الضبط ایک عملی فن تھا اور مصاحف کے کاتب اور ناظر عموماً اس کی عملی تطبیقات سے واقف ہوتے تھے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ کاتب (خوشنویس) حضرات میں سے کم ہی اہل علم ہوتے ہیں۔ اس لیے اس فن کے علماء نے ابتدائی دور سے ہی کتاب مصاحف کی رہنمائی کے لیے رسم، ضبط اور وقف و وصل وغیرہ کے اصول و قواعد پر مستقل تالیفات تیار کرنا شروع کر دی تھیں۔ بہت سے دوسرے اسلامی علوم کی طرح علم الضبط میں بھی تالیف کی ابتداء نقط و شکل پر چھوٹے رسالوں یا کتابچوں سے ہوئی۔ آہستہ آہستہ مختص علامات اور رموز کے بیان کے

علاوہ فن کی مختصر تاریخ اور اس کے اصول و قواعد کے ساتھ ان کے علل و اسباب اور بعض دیگر مباحث کا بیان بھی ساتھ شامل کیا جانے لگا۔ اس طرح اس فن کی جامع تالیفات وجود میں آئیں۔

❶ قواعد نقط و شکل (علم الضبط) پر سب سے پہلی تالیف کے طور پر ابوالاسودؒ کی طرف منسوب ایک مختصر رسالہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ [المحکم: ص ۴۲] لیکن غالباً یہ رسالہ قواعد نقط کی بجائے قواعد نحو کے بارے میں تھا، جو کل چار اوراق پر مشتمل تھا۔ [الفہرست: ص ۶۱] ابن الندیم نے 'الکتاب المؤلفة في النقط والشكل للقرآن' کے تحت صرف چھ اشخاص کی کتابوں کا ذکر کیا ہے، یعنی الخلیلؒ [م ۱۷۰ھ]، محمد بن عیسیٰ الاصفہانی [م ۲۵۳ھ]، یزیدی [م ۲۰۲ھ]، ابن الانباری [م ۳۲۷ھ]، ابو حاتم بختانی [م ۲۵۲ھ] اور ینوریؒ [م ۲۸۲ھ] [الفہرست ص ۵۳]، ابن الندیمؒ نے یزیدیؒ کی وضاحت نہیں کی۔ ڈاکٹر عزہ حسن نے اپنے مقدمہ میں یحییٰ بن مبارک یزیدیؒ [م ۳۰۲ھ] اور اس کے تین بیٹوں یزید بن یزیدؒ کا ذکر کیا ہے، مگر زرکلی نے صرف ابراہیم بن یحییٰؒ [م ۲۲۵ھ] کا مولف کتاب النقط والشکل، ہونا بیان کیا ہے۔ دیکھئے: الاعلام: ۲۸۱/۷ و ۲۷۹ [الدانی کی "المحکم فی نقط المصاحف" کے محقق ڈاکٹر عزہ حسن نے ان چھ کے علاوہ دس مزید علماء ضبط کا ذکر کیا ہے، جن میں سے بلحاظ ترتیب زمانی آخری نام علی بن عیسیٰ الرمانیؒ [م ۳۸۱ھ] کا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے کسی کی تالیف ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ [المحکم (مقدمہ محقق) ص ۳۳-۳۲] البتہ بعد میں آنے والی کتابوں میں ان تالیفات کے اقتباسات ملتے ہیں۔ المحکم میں الدانی [م ۲۴۴ھ] نے بعض ایسے لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے، جنہوں نے اس فن میں شاندار کوئی تالیف تو نہیں چھوڑی مگر وہ اپنے زمانے کے یا اپنے علاقے کے مشاہیر ناقلین مصاحف میں سے تھے۔ [نفس المصدر (المحکم): ص ۹]

❷ اس فن کی جو تالیفات ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے اہم اور جامع تصنیف ابو عمر عثمانی بن سعید الدانیؒ کی المحکم فی نقط المصاحف ہے، جو دمشق سے ۱۹۶۰ء میں ڈاکٹر عزہ حسن کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ اسی موضوع پر الدانی کی ایک مختصر کتاب النقط والشکل، بھی ہے، جو المحکم سے پہلے کی تصنیف ہے اور جو اس کی علم الرسم پر مشہور کتاب 'المقنع' کے ساتھ دمشق سے ہی ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ غالباً اس موضوع پر الدانی کی ایک تیسری تالیف 'التنبیہ علی النقط والشکل' بھی تھی۔ [حوالہ نمبر ۶۲ ص ۲۵] الدانی کے بعد اس موضوع پر اہم تالیف الخراز [م ۱۸۷ھ] کا ۱۲۵/۱۲۵ آیات پر مشتمل ایک أرجوزہ ہے، جس کا عنوان 'ضبط الخراز' ہے اور یہ خراز کی علم الرسم پر مشہور کتاب 'مورد الظمان' کا تتمہ ہے۔ خراز کے اس أرجوزہ کی شرحوں میں سے مشہور شرح التنسیسی [م ۸۹۹ھ] کی 'الطراز فی شرح ضبط الخراز' ہے۔ [الطراز ورق اب نیزغانم ص ۲۸۲] یہ کتاب ابھی شائع نہیں ہوئی، البتہ اس کے مخطوط نسخے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں بنیادی طور پر الخلیلؒ ہی کے طریقے کا اتباع کیا گیا ہے۔

❸ علم الضبط کے اصول و قواعد پر مشتمل جن کتابوں یا بعض فصول کا اوپر ذکر ہوا ہے، ان میں وہ کتابیں بھی ہیں جو ابوالاسودؒ اور ان کے تبعین کے نظام نقط و شکل سے بحث کرتی ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو الخلیلؒ کے طریقے پر مبنی ہیں، لیکن بہر حال ان سب میں بیان کردہ قواعد کا اطلاق قلمی مصاحف پر ہوتا تھا، کیونکہ ان میں رسم

اور ضبط کی بہت سی علامات اور رموز متن کی سیاہی کی بجائے مختلف رنگوں میں لکھی جاتی تھیں۔ [ملاحظہ ہو الطراز ورق ۱۲۶ ب بعد] دور طباعت میں رنگوں کا یہ تنوع برقرار رکھنا دشوار تھا۔ اس لیے طباعت کے تقاضوں کے مطابق بعض علامات رسم وضبط کو تبدیل کرنا پڑا۔ ان جدید قواعد کے لیے ضبط مصاحف پر کچھ نئی تالیفات بھی وجود میں آئیں۔ ان میں سے علامہ علی الضباع کی 'سمیر الطالبین'، الشیخ احمد أبو ذیحتر کار 'السبیل الی ضبط کلمات التنزیل' اور ڈاکٹر محمد سالم محیسن کی 'إرشاد الطالبین إلی ضبط الکتاب المبین' قابل ذکر ہیں۔

علامات ضبط کا اجمالی بیان

۱۲۰ اس فن کی کتابوں کے مطالعہ سے اور مختلف ملکوں اور زمانوں کے قلمی اور مطبوعہ مصاحف کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابت مصاحف میں حروف کی لفظی کیفیت کو متعین کرنے کے لیے بنیادی مواقع ضبط پانچ ہیں، یعنی حرکت، سکون، شد، مد اور تنوین، مگر علم تجوید و قراءت کے تقاضوں کے پیش نظر ان بنیادی پانچ مواقع میں سے ہر ایک کے متعلق کچھ مزید لفظی کیفیات کو ضبط کرنے کی ضرورت درپیش آتی ہے، مثلاً (۱) حرکت سے حرکات ثلاثہ قصیرہ (ـَ ـِ ـُ) اور ان کی بعض خاص لفظی کیفیات، مثلاً اشام، روم، اختلاس، امالہ یا بعض خاص حروف کی ترقیق یا تفخیم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ (۲) سکون کی صورت میں بعض خاص صوتی اثرات ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً نون یا میم ساکنہ کا انخفاء و اظہار، یا حروف قطب جد میں قلقلہ کی کیفیت وغیرہ۔ (۳) اسی طرح تشدید ہم مخرج یا قریب المخرج حروف میں سکون اور حرکت کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہے اور کبھی یہ متحرک حرف کے بعد آتی ہے اور کبھی ساکن حرف کے بعد۔ (۴) تنوین کی اپنی مخصوص علامات ہیں۔ مزید برآں تنوین کا ملفوظی نون ساکنہ ہو یا عام کتوئی نون ساکنہ، ان کے بعض دوسرے حروف کے ساتھ امتزاج اور اجتماع سے چند مخصوص صوتی اور لفظی مسائل پیدا ہوتے ہیں، مثلاً انخفاء، اظہار، انقلاب، ادغام، نون تنوین کا مابعد کے حرف ساکن سے اتصال کا طریقہ وغیرہ۔ (۵) حرکات طویلہ یعنی مد کی مختلف صورتوں میں حروف مدہ کے طریق ضبط کے علاوہ ہائے کناہیہ اور لام جلالہ کا طریق اشباع بھی شامل ہے۔

● ان کے علاوہ رسم عثمانی کی بعض خصوصیات بھی مخصوص قسم کی علامات کی متقاضی ہوتی ہیں، مثلاً اصل مصاحف عثمانی میں ہمزہ متوسلہ متطرفہ نہ لکھا جاتا یا ایسے حروف لکھے جانا جو پڑھ نہیں جاتے، (زیادۃ فی الہجاء) یا ایسے حروف نہ لکھے جانا جو پڑھنے میں آتے ہیں (یعنی نقص فی الہجاء) وغیرہ۔ اس قسم کے امور بھی مخصوص رموز ضبط کی ایجاد کے متقاضی ہوئے۔ کتابت ہمزہ عربی زبان کی عام املاء میں بھی باعث صعوبت بنتی ہے۔ دیکھئے عبود: ص ۱۰ بعد لیکن مصاحف میں اس کے اپنے مخصوص رسم بلکہ عدم رسم سے پیدا ہونے والے مختلف قراءت کے اپنے اپنے احکام ہمزہ مثلاً تحقیق، تسہیل یا بین بین وغیرہ نے اسے مزید پیچیدہ فن بنا دیا ہے۔ المحکم اور الطراز میں سب سے طویل بیان کتابت ہمزہ اور اس کے قواعد کا ہے۔ [نیز دیکھئے عبود: ص ۳۰-۳۹ اور یہ تو ہمزۃ القطع کا قصہ ہے۔ ہمزۃ الوصل یا الف الوصل کو ہمزۃ القطع سے ممتاز کرنے کے لیے مخصوص علامت (صل) کی ایجاد اور ہمزۃ الوصل میں وصل و ابتداء کی علامت کا تعین بھی اس فن (ضبط) کا ایک خاص موضوع ہے۔ اسی طرح کتابت ہمزہ ہی کے ضمن

میں یہ دلچسپ بحث کہ ’لا‘ میں کون سا سر الف اور کون سا لام ہے۔ اس بحث نے بھی اہل مشرق اور اہل مغرب کے طریق ضبط میں ایک زبردست تنوع پیدا کر دیا ہے اور علم الضبط میں کسی حرف کو ہر قسم کی علامات ضبط سے خالی رکھنے (تعریۃ) کے بھی مختلف قواعد ہیں، وغیرہ ذالک۔

۴۸ اس طرح اگر تفصیل میں جائیں تو یہی پانچ بنیادی علامات ضبط پھیل کر چالیس سے زائد علامات کی شکل اختیار کر جاتی ہیں۔

علامات ضبط کا تفصیلی بیان

۴۹ حرکات قصیرہ: یعنی فتح، کسرہ اور ضمہ..... شروع میں ابوالاسودؒ کے طریقہ پر رنگدار اور نقطوں سے ظاہر کی جاتی تھیں۔ اس کے بعد الخلیلؒ کی ایجاد کردہ حرکات (۔ َ ِ) استعمال ہونے لگیں اور یہی اب تک رائج ہیں۔

۵۰ سکون: ابوالاسودؒ نے خود تو حرف ساکن کے لیے کوئی علامت وضع نہیں کی تھی، البتہ نقطہ مصاحف میں ان کے تابعین نے علامت سکون کے طور پر حرف ساکن کے اوپر ہلکی سی سرخ افقی لکیر (جرۃ حمراء) تجویز کی تھی۔ اہل مدینہ اس کے لیے سرخ گول دائرہ استعمال کرتے تھے۔ [المقتنع ص ۱۲۹، المحکم (مقدمہ ص ۳۸] الخلیلؒ نے اس کے لئے ’د‘ اور ’و‘ تجویز کیا، جس میں ہزم کے ’ج‘ یا ’م‘ کی طرف اشارہ ہے۔ [الطراز ورق ۲۳ ب، غانم ص ۸۸ ب بعد] اور یہی دو علامتیں آج کل استعمال ہوتی ہیں۔ افریقی ممالک میں زیادہ تر ’د‘ کا اور مشرقی ملکوں میں ’یاد‘ کا رواج ہے۔ بعض ’ھ‘ کو خاص نون ساکنہ مظہرہ کے لیے استعمال کرتے ہیں اور ’و‘ کو عام علامت سکون کے طور پر یا نون مخفۃ اور میم مخفۃ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ [مصحف الحلبی: ص ۵۲۳]

• مشرقی ممالک میں سے چین میں عام علامت سکون ’ہ‘ ہی استعمال ہوتی ہے، اگرچہ وہاں اس کے لیے کبھی کبھار دوسری علامت ’و‘ بھی استعمال کر لیتے ہیں اور بظاہر دونوں علامات بغیر کسی رمز تیز ہونے کے مستعمل ہیں۔ یہی صورت بعض ایرانی مطبوعہ مصاحف کے اندر دیکھنے میں آئی ہے۔

• بعض اہل علم نقاط نے مختلف مقاصد کے لیے مختلف علامات ہائے سکون وضع کی ہیں، مثلاً نون یا میم ساکنہ مظہرہ کے لیے: ’د‘ اور نون یا میم مخفۃ کے لیے: ’و‘، نون ساکنہ کے ادغام ناقص کے لیے: ’و‘، اور قلقہ کے لیے: ’و‘۔

[تجویذی قرآن (مقدمہ) ص ۱۵ ا و ص ۱۹]

• عرب اور افریقی ممالک میں ادغام تام کی صورت میں نون ساکنہ کو علامت سکون سے خالی رکھا جاتا ہے اور حرف مدغم فیہ پر علامت تشدید ڈالتے ہیں اور ادغام ناقص یا اخفاء کی صورت میں نون کو عموماً علامت سکون سے اور اگلے حرف کو تشدید سے خالی رکھا جاتا ہے یعنی اخفاء اور ادغام ناقص کے مابین کوئی علامت تیز مقرر نہیں ہے۔ [الطراز ورق ۱۹ ب و ۲۰ الف] یہ طریقہ نہ صرف علامہ التنیسی کی تصریح کے خلاف ہے، بلکہ اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ اس میں ’ادغام مع الغنہ‘ کی کوئی رعایت نہیں کی گئی، یعنی حرف مدغم فیہ کے ’و‘ یا ’ی‘ ہونے کی صورت میں یا کوئی دوسرا حرف ہونے میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا، مثلاً ان مصاحف (مصری، سعودی اور سوڈانی) میں ’من تحتها، من ثمرہ‘ کی طرح ’مَنْ يَقُولُ‘ اور ’مِنْ وَالٍ‘ لکھا گیا ہے، حالانکہ آخری دو مثالوں میں ی اور و کا

ادغام مع الغنة ہے۔ ان مصاحف میں قاری کے لیے اس غنہ کی پہچان کی کوئی علامت نہیں ہے۔

● البتہ لمبی اور ٹوٹسی مصاحف بروایت قالون میں 'و' اور 'ی' کی صورت ادغام میں نون ساکنہ پر علامت سکون اور 'و' یا 'ی' پر تشدید بھی ڈالی گئی ہے یعنی 'مَنْ يَقُولُ' اور 'مِنْ وَالٍ' لکھا گیا ہے۔ یہی طریقہ صاحب الطراز نے الدانی رحمہ اللہ اور ابوداؤد رحمہ اللہ کا اختیار قرار دیا ہے اور ٹھیک یہی طریقہ تمام پاکستانی مصاحف میں استعمال ہوتا ہے اور اس لحاظ سے مصری اور سعودی مصاحف کا ضبط ناقص ہے۔ پاکستان کے 'تجویدی مصحف' میں ادغام مع الغنة سے قاری کو بروقت متنبہ کرنے کے لیے نون پر مخصوص علامت سکون () ڈالی گئی ہے اور یہ اس مصحف کی مزید خوبی ہے۔

[دیکھئے اوپر حاشیہ ۸۹]

● ساکن نون کے قبل ازب ہونے کی وجہ سے اس کے اقلاب بمیم کی صورت میں 'ن' پر علامت سکون کی بجائے چھوٹی سی میم (م) لکھی جاتی ہے، مثلاً مصری سعودی اور افریقی مصاحف میں [دیکھئے ان کے ضمیمہ ہائے تشریفی] اور بعض اس 'م' کے اوپر علامت سکون ڈالتے ہیں، مثلاً پاکستانی تجویدی قرآن مجید میں [دیکھئے اس کا مقدمہ ص ۲۰] یعنی پہلی صورت میں 'من بعدہ' لکھیں گے اور دوسری صورت میں یہ لفظ یوں لکھا جائے گا: "من بعدہ"

۳۱) **تشدید (شد):** یہ دراصل ہم مخرج یا ہم جنس حروف کے سکون اور حرکت کا امتزاج ہے، جو کبھی ایک کلمہ میں واقع ہوتا ہے اور کبھی دو کلمات میں۔ ابوالاسود رحمہ اللہ نے خود تو نہیں مگر ان کے تبعین نے اس کے لیے ' ' کی شکل تجویز کی تھی جو وال مقلوبہ سے ماخوذ تھی۔ [المحکم ص ۳۹ بعد، نیز الطراز ورق ۲۶ الف بعد] پہلے اس کے لیے قوس کی شکل بھی (یا یا) اختیار کی گئی تھی۔ الخلیل رحمہ اللہ نے اس کے لیے موجودہ علامت () ایجاب کی، جو تشدید یا شدہ کے 'ش' سے ماخوذ ہے۔ اشکال کے معمولی فرق، مثلاً یا کے ساتھ یہ نظام اب تک دنیائے اسلام کے مشرق و مغرب میں ہر جگہ مستعمل ہے، البتہ حرف مشدد و مکسور کی حرکت کے موقع میں کہیں کہیں اختلاف ہے۔

[غانم ص ۵۹۰ بعد ۱۰۱، المقنع ص ۱۲، المحکم ص ۶۸]

۳۲) **تنوین:** یہ دراصل حرف متحرک اور نون ساکنہ کا امتزاج ہے، جو کسی کلمہ کے آخر پر واقع ہوتا ہے۔ اس میں نون ملفوظی شکل میں موجود مگر مکتوبی شکل میں غائب ہوتا ہے۔ الدانی رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق ابوالاسود رحمہ اللہ نے اس کے لیے دو نقطے تجویز کئے تھے، جو تنوین رفع کے لیے حرف کے سامنے (پچھے)، تنوین نصب کے لیے حرف کے اوپر اور تنوین جر کے لیے حرف کے نیچے لگائے جاتے تھے۔ کسی حرف حلقی سے ما قبل یہ نقطے متراکب (:) اور حروف انخاف سے پہلے متتابع (..) ہوتے تھے۔

● الخلیل رحمہ اللہ کے ایجاد کردہ طریقے میں اسے دو دو حرکات سے ظاہر کیا جانے لگا اور اب تک کیا جاتا ہے۔

● تنوین کے نون کے اقلاب بمیم کو ظاہر کرنے کے لیے برصغیر اور چین کے مصاحف میں پوری تنوین لکھنے کے بعد اگلی 'ب' پر چھوٹی سی 'م' لکھنے کا رواج رہا ہے، مثلاً أمدًا بعيداً۔ ترکی اور ایران کے بیشتر مصاحف میں یہ چھوٹی 'م' لکھنے کا مطلقاً رواج نہیں ہے۔ معلوم نہیں وہ اس 'ن' کی آواز کو کس طرح 'م' میں بدل لیتے ہیں۔ اظہار یہ نہایت ناقص ضبط ہے اور قاری کو صحیح تلفظ میں کوئی مدد نہیں دیتا۔ عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں بصورت تنوین اس اقلاب کو ظاہر کرنے کے لیے تنوین کی صرف ایک حرکت لکھ کر ساتھ چھوٹی سی 'م' لکھ دی جاتی ہے۔ () تجویدی قرآن

پروفیسر احمد یار

میں یہ چھوٹی 'م' پوری تین اخفاء کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ () یہ طریقہ مصری مصحف سے ہی ماخوذ ہے، مگر ذرا ترمیم کے ساتھ جو کاتب مصحف کے لیے مشکل پیدا کرنے والی ہے، مگر قاری کے لیے نہایت مفید ہے۔

● تینوں کے نوں ملفوظی اور مابعد کے مشدد یا ساکن حرف کے اتصال کی علامت کے طور پر مشرقی ممالک، خصوصاً ترکی، ایران، برصغیر اور چین میں حرف منون کے بعد یا تینوں کے نیچے ایک چھوٹا سا 'ن' لکھتے ہیں جو اکثر مکسور ہی ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں برصغیر میں اس نوں کو 'نون قطنی' بھی کہتے ہیں۔ تجویدی قرآن میں یہ نوں تینوں کی دوسری حرکت کے بدل کے طور پر ایک سرے پر لکھا گیا ہے۔ () یہ عجیب بات ہے کہ عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں اس مقصد کے لیے کوئی علامت استعمال نہیں کی جاتی، حالانکہ اصول تجوید میں اس نوں اتصال یا نوں قطنی کے طریق اداء سے بحث کی جاتی ہے۔ [حق التلاوة ص ۶۹، الکلاک ص ۷۰] شاید اہل زبان خود بخود ایسے موقع پر نوں اتصال کا تلفظ پیدا کر لیتے ہوں، مگر اہل مشرق کے لیے اس علامت کے بغیر اسے صحیح پڑھنا ناممکن ہے۔

● حرکات طویلہ: یعنی الف ماقبل مفتوح یا 'و' ماقبل مضمووم یا 'ی' ماقبل مکسور، جسے دوسرے لفظوں میں مد طبعی یا مد اصلی بھی کہتے ہیں۔ رسم عثمانی میں ان حرکات کے متعدد اور متنوع مظاہر پائے جاتے ہیں اور ان کے خلاف قیاس اور متباین کتابت نے علم الضبط کے لیے بھی کئی مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ مد کی صورت میں یہ حروف مدہ یعنی ا، و، ی ہمیشہ ساکن ہی ہوتے ہیں اور اس وقت یہ حرف صامت کا نہیں، بلکہ حرف صائت کا کام دیتے ہیں۔ ان حروف کے بعد ہمزہ یا حرف ساکن کے آنے سے مد کی زیادہ کھینچے جانے والی صورتیں یعنی مد فرعی اور اس کی اقسام پیدا ہوتی ہیں۔ اس صورت میں مقدار مد کی بنا پر حرف مد کے اوپر علامت مدہ 'ـ' لکھی جاتی ہے۔ یہ علامت بھی الخلیل رحمہ اللہ کی ایجاد ہے۔ افریقی ملکوں میں اور بعض دفعہ خط بہار کے مصاحف میں یہ علامت اس صورت میں لکھی جاتی ہے: () یا ()

● کتب تجوید میں مد کے طول اور قصر کی بنا پر اس کی کئی اقسام مذکور ہوتی ہیں، تاہم عموماً تمام ملکوں میں ہر قسم کی مد کے لیے علامت ایک ہی استعمال ہوتی ہے۔ غالباً صرف برصغیر میں ہی مد متصل (ـ) اور مد منفصل (ـ) کی دو علامتیں مستعمل ہیں۔ بعض ایرانی نسخوں میں بھی مد کی یہ دو علامتیں یعنی چھوٹی مد (ـ) اور بڑی مد (ـ) دیکھی گئی ہیں۔

● الف تو ہمیشہ ماقبل مفتوح ہوتا ہے اور مدود ہوتا ہے مگر 'و' اگر ماقبل مفتوح ہوں تو اسے 'لین' کہتے ہیں اور اس میں صرف خاص شرائط کے ساتھ مد پیدا ہوتی ہے، جسے کتب تجوید میں مد اللین کہتے ہیں، لیکن اس کے لیے کوئی علامت ضبط مقرر نہیں ہے۔ 'و' اور 'ی' لینہ ہوں تو ان پر علامت سکون ڈالنے کا رواج ہر جگہ ہے۔ مگر 'و' یا 'ی' مدہ پر علامت سکون ڈالنے کا رواج نہ افریقی ملکوں میں ہے، نہ بلاد عرب میں، بلکہ ترکی، ایران اور چین تک یہی طریقہ رائج ہے، البتہ صرف برصغیر میں واو مدہ اور یائے مدہ پر بھی علامت سکون ڈالتے ہیں، مثلاً یُوْرِثُ اور میزَانُ کو یُوْرِثُ اور میزَانُ لکھیں گے۔

● نحوی نقطہ نظر سے، اور الف ماقبل مفتوح پر قیاس کرتے ہوئے شاید برصغیر کا یہ تعامل درست نہ سمجھا جائے، لیکن غالباً صوتیاتی اصولوں کے مطابق نہ زیادہ بہتر ہے، مثلاً اَوَّلُ تو عرب ممالک کے رائج طریقہ میں اَوَّلُکْ، اَوَّلُوْ العزم اور اَوَّلِی الامر وغیرہ الفاظ میں پڑھنے والے کو التباس پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن ملکوں یا علاقوں میں حرف مد (و یا ی) پر علامت سکون ڈالنے کا رواج نہیں ہے، وہاں قاری کو غلطی سے بچانے کے لیے مذکورہ

قسم کے کلمات میں حرف مد پر حرف زائد کی علامت لکھتے ہیں، مثلاً أولئك، مثلاً مصری اور سعودی مصحف جہاں زائد کی علامت ' کی بجائے ' ؤ ڈالی گئی ہے۔ بعض جگہ حرف کے نیچے باریک قلم سے لفظ "قصر" (أولئك) لکھ دیتے ہیں اور بعض جگہ حرف کے نیچے لفظ "بلا اشباع" لکھتے ہیں، جبکہ ایران، مصر اور ترکی سے مطبوعہ ایسے مصاحف بھی ملتے ہیں، جن میں اس التباس کے دور کرنے کے لیے کوئی علامت وغیرہ نہیں دی گئی۔

❶ دوسرے یہ کہ جب حرف مد کے بعد حرف ساکن آ رہا ہو جس میں حرف ممد کو آگے ملایا جاتا ہے تو اس صورت میں برصغیر میں حرف مد پر علامت سکون نہیں ڈالتے، جس سے قاری کو پتہ چل جاتا ہے کہ مد بلکہ حرف مد کا تلفظ ہی ختم ہو گیا، لیکن عرب ممالک کے ضبط کے مطابق قاری پہلے تو بادی النظر میں ایسے حرف مد کو بصورت مد پڑھے گا، پھر اسے پتہ چلے گا کہ اسے تو آگے ملانا ہے، مثلاً لفظ 'أَوْتُوا' برصغیر سے باہر 'أَوْتُوا' لکھا جاتا ہے، اس کے بعد مثلاً 'الْعِلْمُ' لکھا جائے تو یہ ہمارے ہاں 'أَوْتُوا' لکھا جائے گا، مگر دوسرے ملکوں میں یہ 'أَوْتُوا الْعِلْمُ' لکھا جاتا ہے۔ یہاں 'تُوا' کو 'ل' میں ملانے کا پتہ قاری کو 'تُوا' یعنی 'تُو' پڑھ چکنے کے بعد چلتا ہے، مگر برصغیر کا قاری 'ت' اور 'ل' کے درمیانی حروف کو علامت سے خالی دیکھ کر سمجھ جاتا ہے کہ ان کا تلفظ ہی نہیں ہوگا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب 'هَوَ' اور 'هِيَ' میں 'و' یا 'ی' پر علامت حرکت لگ سکتی ہے، تو 'هَوَ' یا 'هِيَ' میں علامت سکون کیوں نہ لگے؟

❷ مد کے ہی مسائل میں محذوف (مگر ملفوظ) حرف مد کے ضبط کا مسئلہ آتا ہے۔ عموماً تو یہ محذوف 'الف' ہوتا ہے، مثلاً 'رحمن' میں 'م' اور 'ن' کے درمیان الف محذوف ہے اور قرآن کریم میں اس کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ کبھی بکھار یہ محذوف 'و' یا 'ی' بھی ہوتی ہے، مثلاً 'داود' میں ایک 'و' اور 'أَمِين' میں ایک 'ی'، محذوف ہے۔ قلمی دور میں یہ محذوف (ا، و، ی) سرخی سے باریک قلم کے ساتھ لکھی جاتی تھی اور اسے ماقبل کی حرکت کے مطابق پڑھ لیا جاتا تھا۔ دور طباعت میں عرب اور افریقی ممالک میں یہ محذوف (ا، و، ی) باریک قلم کے ساتھ متن کی ہی سیاہی سے لکھ دیے جاتے ہیں اور ماقبل کی حرکت فتح، ضمہ یا کسرہ بھی لکھتے ہیں، مثلاً الرَّحْمَنُ، 'داود' اور 'أَمِين'، مگر برصغیر میں 'کی جگہ'، 'ہ'، 'کی جگہ'، 'اور'، 'کی جگہ' لکھا جاتا ہے اور اس طرح یہ لفظ الرَّحْمَنُ، 'داود' اور 'أَمِين' لکھے جاتے ہیں۔ عرب ممالک کے مصاحف میں سے صرف مصحف الحلبی میں ان مشرقی علامات کو اختیار کیا گیا ہے۔ [مصحف الحلبی ص ۵۲۳ و ۵۲۵، بیان علامات (التعريف) ترکی اور ایران میں کھڑی زیر 'ا' اور کھڑی زیر 'ی' کا استعمال کہیں کہیں ملتا ہے، مگر ضمہ معکوس یا الٹی پیش '، کا استعمال ان ملکوں میں مفقود ہے۔

❸ اور اسی قسم کی مد (بحذف حرف مد) کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ اسم جلالت کی لام کے اشباع (مد اصلی) کا طریقہ کتابت ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ تمام عرب اور افریقی ممالک بلکہ ترکی اور ایران میں بھی اسم جلالت یوں لکھا جاتا ہے: 'اللَّهُ' حالانکہ تلفظ میں یہ لفظ 'الہ' ہیں، بلکہ 'الہ' ہے، بلکہ لام کے اشباع (مد) کے علاوہ اس لام کی تفخیم اور ترقیق علم جوید کا ایک اہم قاعدہ ہے۔ [حق التلاوة ص ۶۸ والکلاک ص ۶۹ و ۱۰۳]

❹ حقیقت یہ ہے کہ عرب اور افریقی ممالک میں الف مدہ محذوفہ میں ماقبل کی فتح لکھے بغیر مد کا تصور ہی نہیں ہے، اس لیے وہ اسم جلالت کے لام پر شد اور فتح ڈالتے ہیں۔ اب اگر اس کے ساتھ مد کی خاطر الف محذوفہ کا اثبات بھی

کیا جائے تو پھر اسے 'اللہ' لکھنا پڑے گا، جو ان کے ضبط کے مطابق لکھے ہوئے 'اللہ' سے مشابہ ہی ہو جائے گا۔ اس لیے ان تمام ملکوں میں یہ لفظ جلالہ غلط علامت ضبط کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور اس کا درست پڑھنا صرف شفوئی تعلیم پر منحصر ہے۔

● صرف برصغیر میں لام جلالت کی اس مد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے 'اللہ' لکھا جاتا ہے یا پھر چین میں اسے 'اللہ' لکھا جاتا ہے۔ تلفظ کے تقاضوں کے مطابق اس معاملے میں عرب اور افریقی ممالک یا ایران اور ترکی سب کا طریق ضبط ناقص ہے۔ برصغیر کی تازہ ترین ایجاد اس معاملے میں یہ ہے کہ اب تجویدی قرآن (مطبوعہ پاکستان) میں لام جلالت کی تفخیم یا ترتیق کے لیے دو الگ الگ علامات ضبط اختیار کی گئی ہیں۔ لفظ جلالت کے تمام تجویدی تقاضوں کے مطابق یہ اس کے لیے بہترین ضبط ہے۔

● علم الضبط کے مسائل میں 'زیادة فى الهجاء' یا حروف زوائد کا مسئلہ بھی اہم ہے، یعنی وہ حروف جو رسم عثمانی کے مطابق لکھے جاتے ہیں مگر پڑھے نہیں جاتے، مثلاً مائے، جائ اور لشائ وغیرہ کا الف، اولٹک، اولی یا اولو وغیرہ کی واو اور نبائی یا تلقائی وغیرہ کی 'یا' واو الجماعت کے بعد لکھا جانے والا الف، جسے الف الاطلاق کہتے ہیں۔ [ابن درستیہ ص ۱۰۵ حاشیہ ۳۶] اور ضمیر واحد متکلم (أنا) کے آخر پر آنے والا الف وغیرہ۔ [حروف زوائد کی تفصیل کے لیے دیکھئے: حق التلاوة ص ۱۵۲ بعد عرب اور افریقی ممالک میں اس قسم کے زائد الف 'و' یا 'ی' پر ایک علامت زیادہ یا عدم نطق ڈالی جاتی ہے، جو عموماً ایک بیضی شکل کا دائرہ (o) ہوتا ہے۔ ہجاء کے ان زوائد پر یہ علامت ڈالنے کا رواج بہت پرانا ہے۔ 'نقط المصاحف' کے طریقے میں بعض دفعہ اس مقصد کے لیے صرف سرخ نقطہ بھی استعمال ہوتا تھا۔ الخلیل رحمہ اللہ نے اس کے لیے کوئی الگ علامت وضع نہیں کی تھی۔ اس لیے بعد میں بھی یہی سرخ گول دائرہ (دائرة حمراء) اس مقصد کے لیے مستعمل رہا۔ [المقتنع ص ۱۴۰ بعد نیز الطراز ورق ۹۳ بعد بلااد عرب اور افریقی ممالک کے اندر رائج طریقے پر مصحف میں حروف زوائد (محتاج دائرہ) کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچتی ہے، خصوصاً الف الاطلاق کو بھی شامل کر لینے کی بناء پر۔

● اہل مشرق نے اس کے برعکس یہ طریقہ اختیار کیا کہ جو حرف زائد نطق میں نہیں آتا، اسے ہر قسم کی علامت ضبط سے معری رکھا۔ اس طرح حرف الف کی چند معدود صورتیں ایسی رہ جاتی ہیں کہ ان میں التباس واقع ہو سکتا ہے، مثلاً الف ما قبل مفتوح جبکہ اس کے بعد کوئی حرف ساکن یا مشد بھی نہ آ رہا ہو۔ یہ کوئی بیس کے قریب مقامات بنتے ہیں لہذا صرف ان پر علامت زیادہ (دائرہ یا علامت تنسیخ x) لگا دیتے ہیں۔ اس طریقے پر نہ اولٹک کی واو پر نشان لگانے کی ضرورت ہے، نہ تلقائی کی 'ی' پر اور صرف الف الاطلاق پر ہی یہ علامت نہ ڈالنے کے باعث مجموعی طور پر شاید کاتب کے کئی دن نہیں تو کئی گھنٹے یقیناً بچ جاتے ہیں۔

بعض لفظوں کے بارے میں یہ اختلاف بھی ہوتا ہے کہ اس میں زائد الف ہے یا 'ی'، مثلاً 'أفائن' اور 'ملائئہ' میں [المحکم ص ۱۹۳، الطراز ورق ۱۰۵ الف] اس لیے ان کی علامت زیادہ کے موقع ضبط کی تعیین میں بھی اختلاف موجود ہے۔ اس فرق کو اچھی طرح اور عملاً سمجھنے کے لیے کلمہ 'أفائن' یا 'أفائن' (آل عمران ۱۴۳ اور الانبیاء ۳۴) کا ضبط کسی مصری یا سعودی مصحف میں اور پھر برصغیر کے کسی مصحف میں دیکھئے۔ آپ دیکھیں گے تلفظ دونوں ضبط کے

ساتھ ایک ہی بنتا ہے، یعنی اَفَیْن کی طرح ہے اور اگر لٹن پر قیاس کریں، جو متفق علیہ ضبط ہے، تو پھر ’ی‘ کی بجائے الف کو زائد ماننے والوں کا موقف زیادہ قرین صواب ہے۔ واللہ اعلم

② علم الضبط کے مسائل میں سے ایک مسئلہ نقص فی الہجاء والے کلمات کا ضبط بھی ہے، یعنی ایسے حروف جو لکھے نہیں جاتے مگر پڑھے ضرور جانے چاہئیں، مثلاً الرَّحْمَنُ اور الْعَلَمِیْنَ کا الف، دَاوُد اور تَلُوْن کی دوسری واو اور اُمِّیْنَ اور نَبِیِّیْنَ کی دوسری یاء یہ محذوف حرف عموماً الف وُی ہی ہوتا ہے اور وہ بھی مدہ اگرچہ ایک دو جگہ ’ن‘ بھی محذوف ہوا ہے۔ [تفصیل کے لیے دیکھئے: غانم ص ۵۹۷ بعد، الطراز ورق ۱۷۱ الف بعد] دور طباعت سے پہلے قلمی مصاحف میں ان محذوفات کا ’ثبات‘ باریک قلم اور سرخ سیاہی سے کیا جاتا تھا، یعنی سرخی سے حسب موقع ’ا‘ یا ’و‘ یا ’ی‘، ’ن‘ لکھ دیتے تھے۔ دور طباعت میں یہ حروف متن کی سیاہی کے ساتھ مگر باریک قلم سے لکھے جانے لگے ہیں، مگر اس میں بھی اہل مشرق حرف محذوف کا اضافہ کرنے کی بجائے الف مدہ محذوفہ کے لیے (۱)، واو مدہ محذوفہ کے لیے (۲) اور یاء مدہ محذوفہ کے لیے (۳) کی علامت استعمال کرتے ہیں، البتہ ’ن‘ کو وہ بھی باریک قلم سے ہی لکھتے ہیں، مثلاً ’

حرف محذوف ’الف‘، ’و‘ یا ’ی‘ عرب ممالک کے طریقے کے مطابق تو الرَّحْمَنُ، صلحت، داوود، تَلُوْن، اُمِّیْنَ اور نَبِیِّیْنَ لکھیں گے، مگر برصغیر کے ضبط کے مطابق یہی کلمات علی الترتیب یوں لکھے جائیں گے: الرَّحْمَنُ، صلحت، داوُد، تَلُوْن، اُمِّیْنَ اور نَبِیِّیْنَ۔

نوٹ کیجئے کہ تمام کلمات کا اصل عثمانی رسم، ضبط کی دونوں صورتوں میں برقرار رہا ہے۔ صرف علامات ضبط کا فرق ہے۔ [حروف محذوفہ کی نوعیت اور مزید مختلف مثالوں سے آگاہی کے لیے دیکھئے: کتاب حق التلاوة ص ۱۳۹ تا ۱۵۳]

③ علامات ضبط کا ایک اور اہم مسئلہ ہمزۃ الوصل کا ضبط ہے۔ اس کے لیے الف الوصل کے اوپر ایک مخصوص علامت ڈالی جاتی ہے جسے ’صلیاً علامۃ الصلۃ‘ کہتے ہیں۔ اُکلیل ﷺ سے پہلے یہ علامت عموماً ایک ہلکی سرخ لکیر (جرہ لطیفہ) ہوتی تھی۔ [نمونے کے لئے دیکھئے: المحکم (مقدم محقق) ص ۳۹] بعد میں بعض علاقوں میں اس کے لیے گول بزنر نقطہ لگایا جانے لگا اور بعض علاقوں میں سرخ نقطہ ہی لگا دیتے تھے۔ [دیکھئے یہی کتاب: المحکم، ص ۸۷ جہاں مؤلف نے ایسے دو مصاحف کا خصوصاً ذکر کیا ہے۔]

④ اُکلیل ﷺ نے اس کے لیے ” “ کی علامت وضع کی، جو حرف صاد (ص) کے سرے سے ماخوذ ہے اور جو ہمیشہ الف الوصل کے اوپر ہی لکھی جاتی تھی اور بیشتر عرب ممالک میں اب بھی لکھی جاتی ہے۔ چوتھی صدی ہجری سے ہی ہمزۃ الوصل کی علامت مطلقاً ترک کر دینے کا رجحان پیدا ہو گیا تھا۔ [غانم ص ۵۹۳، جہاں ترتیب زمانی کے ساتھ بعض نمونوں کا ذکر موجود ہے۔] شاید اس لیے بھی کہ علامۃ الصلۃ لکھنے سے ضبط کے کئی نئے مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ابھی بیان ہوگا۔ بیشتر مشرقی ممالک مثلاً برصغیر، چین، ایران (اور ترکی میں بھی) ہمزۃ الوصل کے لیے کسی علامت ضبط کا استعمال کافی عرصے سے متروک ہو چکا ہے۔ ترکی کے حافظ عثمان کے مکتوبہ مصحف میں علامۃ الصلۃ موجود ہے، مگر مصطفیٰ ظیف اور حامد ابیتاج نے اسے استعمال نہیں کیا ہے۔ [اور ممکن ہے برصغیر میں تو اس کا استعمال شاید متعارف ہی کبھی نہ ہوا ہو۔]

● جن ملکوں میں علامۃ الصلۃ استعمال ہوتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں: اکثر عرب ملکوں میں تو الخلیل ﷺ والی علامت (۔۔ یا ص) استعمال ہوتی ہے، اندلس اور مغرب میں مدت تک اس کے لیے عموماً سبز رنگ کے گول نقطہ کا رواج رہا۔ بعض افریقی ممالک میں علامۃ الصلۃ کے طور پر سبز نقطہ کا رواج اب بھی موجود ہے۔ تانیجیریا کے بعض رنگدار مصاحف میں اس کی بہترین مثالیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ آج کل عام طور پر افریقی ممالک میں علامۃ الصلۃ کے طور پر الف الوصل کے اوپر عموماً ایک باریک سیاہ نقطہ ڈالا جاتا ہے۔

● افریقی ممالک میں الف الوصل کے ماقبل کی حرکت کے لیے بھی ایک نشان (الف) پر ڈالا جاتا ہے۔ اس نشان کو 'صلۃ الوصل' یا 'خیش الف الوصل' بھی کہتے ہیں۔ یہ عموماً ماقبل کی فتح کے لیے الف کے اوپر دائیں طرف ایک ہلکی سی افقی کبیر ہوتی ہے، جو کسرہ کے لیے الف کے نیچے اور ضمہ کے لیے الف کے وسط میں لگائی جاتی ہے، مثلاً ”“

● اگر ہمزۃ الوصل سے ابتداء ہو رہی ہو، مثلاً اس سے قبل مثل وقف لازم قوی وقف ہو، تو اس صورت میں اس کی ممکن حرکت کے لیے عرب ممالک میں کوئی علامت نہیں ڈالی جاتی، بلکہ قاری غالباً اپنی عربی دانی کے زور پر خود ہی لفظ کے لیے حرکت متعین کر لیتا ہے۔ صرف سوڈانی اور لیبی مصاحف میں اس کے لیے بھی خاص علامات مقرر کی گئی ہیں، اگرچہ دونوں ملکوں کی علامت میں معمولی تفاوت ہے تاہم فتح کے لیے یہ علامت (جو گول باریک نقطہ یا باریک سا دائرہ ہوتا ہے) الف کے اوپر، کسرہ کے لیے ٹھیک نیچے اور ضمہ کے لیے الف کے آگے (بائیں طرف) وسط میں لکھی جاتی ہے، جیسے ”“، ”“، ”“، ”“

● اہل مشرق نے الف الوصل کی علامت صلۃ کا استعمال ہی ترک کر دیا ہے۔ اگر الف الوصل والا لفظ ماقبل سے ملایا جا رہا ہو تو الف الوصل پر کسی قسم کی علامت نہیں ڈالی جاتی اور اگر اس سے ابتداء ہو رہی ہو تو اس الف پر علامت قطع (ء) ڈالے بغیر منطوق حرکت دے دی جاتی ہے۔ علامت قطع نہ ہونے سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ہمزۃ الوصل ہے اور حرکت سے اس کے صحیح تلفظ کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا ہے، مثلاً عرب ممالک میں 'اللہ الصمد' لکھتے ہیں، مگر برصغیر میں 'اللہ الصمد' لکھتے ہیں۔ پہلے طریقے پر قاری کو اللہ کے الف کی حرکت کا کچھ پتہ نہیں چلتا، دوسرے طریقے میں یہ چیز الف کی فتح نے واضح کر دی ہے۔ مشرق کا کوئی عام ناظرہ خواں کسی عرب ملک کے مصحف سے سورۃ الاخلاص تک درست نہیں پڑھ سکتا، البتہ اہل مشرق میں عموماً ہمزۃ لقطع بھی بغیر علامت قطع (ء) کے لکھنے کا رواج ہو گیا ہے، مثلاً 'بأس'، 'کوباس' لکھ دیتے ہیں جو علی لحاظ سے غلط ہے یا پھر علامت ہمزہ کی ایجاد سے پہلے کی یادگار ہے۔

● ہمزۃ الوصل اور حرف زائد کے لیے علامت کے استعمال یا عدم استعمال سے اہل مشرق اور اہل مغرب کے طریقہ کتابت یعنی ضبط میں بڑا فرق پڑتا ہے اور اس فرق کی وجہ سے ایک علاقے کے آدمی کو دوسرے علاقے کے مصحف میں سے تلاوت کرنے میں سخت صعوبت پیش آتی ہے۔ مثال کے طور پر لفظ 'أولوا العزم' کو بیجے 'اس کو ضبط کرتے وقت اہل مشرق تو دونوں او اور 'لو' کے بعد آنے والے دونوں الف بھی ہر قسم کی علامت سے خالی رکھتے ہیں، مگر عرب اور افریقی ممالک میں 'أولو' کی پہلی واو پر علامت حرف زائد 'اور لو' کے بعد آنے والے دو الفوں میں سے پہلے پر علامت زیادہ اور دوسرے پر علامت صلۃ ڈالیں گے۔ اسی طرح اہل مشرق 'اوتوا الکتاب' مگر عرب 'اولوا العزم' اور دوسری صورت میں 'أولوا العزم' لکھیں گے۔ اسی طرح اہل مشرق 'اوتوا الکتاب' مگر عرب

’اوتوا الكتب، لکھیں گے۔ جس آدمی کو علامت صلہ اور علامت زیادہ‘ کا علم نہیں، وہ دوسری صورت والی کتابت کو کبھی درست نہیں پڑھ سکتا۔ [المحکم ص ۲۴ پر الدانی نے ابن مجاہد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ علم القطع یعنی علم الضبط جانے بغیر کسی مصحف سے قراءت ناممکن سی بات ہے۔ یہی بات آج بھی سو فیصد درست ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حرمین شریفین میں سب لوگوں کو دیار عرب ہی کے مطبوعہ مصاحف سے تلاوت پر مجبور کرنا ناظرہ خوانوں پر کتنا بڑا ظلم ہے۔ اہل علم کے لیے تو خیر کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ وقلیل ما ہم]

۴) ہمزہ القطع کو ہمزہ الوصل سے ممتاز کرنے کے لیے شروع کے نظام نقط میں اس کے لیے زرد رنگ اور بعض علاقوں میں سرخ رنگ کا گول نقطہ ڈالا جاتا تھا۔ [المحکم: ص ۸۷] تحلیل ۱۱۱۱ کے طریقے میں اس کے لیے ’ء‘ کی علامت تجویز کی گئی تھی اور یہ علامت اب تک مستعمل ہے، البتہ بعض افریقی ممالک میں اس ’ع‘ یا ’ی‘ کی شکل میں اور چین میں عموماً ’ی‘ کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔ بعض افریقی ملکوں، مثلاً نائجیریا میں یا سوڈان کے قلمی مصاحف میں اس کے لیے زرد گول نقطہ اب تک زیر استعمال ہے۔

۵) ہمزہ کے طریق تطق کے اختلافات اور مختلف قراءات میں اس کے طریق ادا کے تنوع کی وجہ سے ہمزہ قطع کی مختلف صورتوں کے لیے کچھ مختلف علامات بھی مقرر کی گئیں اور اس کا موقع ضبط تو کتب علم الضبط کی سب سے طویل بحث ہے۔

۶) ی کلمہ کی ابتداء میں آنے کی صورت میں ہمزہ کی اس علامت قطع (ء) کا استعمال اہل مشرق کے ہاں متروک ہو گیا ہے۔ اس صورت میں وہ صرف الف پر (اور ابتداء میں ہمزہ ہمیشہ بصورت الف ہی لکھا جاتا ہے) متعلقہ حرکت دے دیتے ہیں، مثلاً ’آء، اء، اء، اء‘ ہی لکھتے ہیں اور ابتداء کی صورت میں وہ ہمزہ الوصل پر بھی اسی طرح حرکات لکھتے ہیں۔ اس فرق کو ذیل کی مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔

۱) ہمزہ القطع کی صورت میں:

عرب ممالک میں اُنذر، اُنذر اور اِنذار لکھیں گے، مگر اہل مشرق اسے اُنذر، اُنذر اور اِنذار لکھیں گے۔

۲) ہمزہ الوصل کی صورت میں:

عرب ممالک میں اللہ، ادع اور اهدنا لکھا جاتا ہے، مگر اہل مشرق اسے اللہ، ادع اور اهدنا لکھتے ہیں، البتہ سوڈان میں اسے اللہ، ادع اور اهدنا لکھتے ہیں اور لیبیا میں اسے اللہ، ادع اور اهدنا لکھتے ہیں۔

نوٹ کیجئے کہ عرب اور عام افریقی ممالک کی علامۃ الصلۃ (ص) آپ کو الف الوصل کی ملفوظ حرکت کے تعین میں قطعاً کوئی مدد نہیں دیتی، یہ صرف شفوی تعلیم سے معلوم ہوگی۔ ہم نے اوپر الف الوصل کی حرکات ثلاثہ والی مثالیں دی ہیں۔ لیبیا اور سوڈان کا طریقہ ہمارے برصغیر کے طریقے سے مختلف ہے، مگر دوسرے عرب اور افریقی ممالک کے طریق ضبط کی نسبت زیادہ معقول ہے۔

۷) ہمزہ ہی کے ضمن میں علماء ضبط نے اس مسئلے پر بھی بحث کی ہے کہ لا میں کون سا سراسر لام اور کون سا الف یا ہمزہ ہے اور ہر ایک نظریہ کے حق میں دلائل دیئے گئے ہیں اور یہ بحث خاصی دلچسپ بھی ہے۔ [الطراز ورق ۱۲۰ الف ببعده، المحکم ص ۱۹۷ بعد اور غانم ص ۵۸۱ تا ہم اب اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اس وقت عملاً صورت حال یہ ہے کہ تمام افریقی ممالک ماسوائے مصر تو ’لا‘ میں پہلے سرے کو ہی الف یا ہمزہ اور دوسرے سرے کو لام سمجھتے ہیں،

جبکہ مصر اور تمام مشرقی ممالک میں اس کے برعکس عمل ہے۔ اس کا فرق ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا:
افریقائی ممالک میں والارض فی الاخرة اور الایۃ لکھیں گے، جبکہ مشرقی ملکوں میں والارض، فی
الآخرة اور الایۃ لکھیں گے۔

افریقائی ملکوں کی علامت صلہ (۰) اور مصری علامت صلہ (-) کا فرق اور مشرقی ملکوں میں عدم علامت صلہ اور
عدم علامت قطع قابل غور ہے۔ کیا ایک نظام ضبط کے ساتھ پڑھنے کا عادی قرآن خوان دوسرے نظام کے مطابق
لکھے گئے مصاحف میں سے قراءت پر قادر ہو سکتا ہے؟

ابدال حروف والی بحث ضبط سے زیادہ رسم سے تعلق رکھتی ہے اور اس سے تعلیلات صرنی والی تبدیلیاں مراد
نہیں ہوتیں، بلکہ چار خاص مقامات پر 'ص' کے تلفظ کے 'س' میں بدلنے یا نہ بدلنے کی ترجیح کی بنا پر حرف 'س' کو
متعلقہ کلمہ میں 'ص' کے اوپر یا نیچے لکھتے ہیں۔ [حق التلاوة، ص ۱۰۵]
اس کی تفصیل یوں ہے:

① بیصط (۲۳۵:۲)، المصیطرون (۳۷:۵۲)

② بصطۃ (۶۹:۷)

③ بمصیطر (۲۲:۸۸) اور قراء کے ہاں ان کے پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں۔

[تجوید قرآن (مقدمہ) ص ۲۳]

● مصاحف مطبوعہ لیبیا، تیونس (بروایۃ قالون) اور مصاحف مطبوعہ تیونس و مراکش و نائیجیریا (بروایۃ
ورش) میں ان چار مقامات پر صرف 'ص' کے ساتھ کتابت کی گئی ہے اور کہیں اوپر یا نیچے 'س' یا 'ص' نہیں لکھا گیا،
جو شاید روایت قراءت کی خصوصیت ہے۔

● جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے دواستادہ نے پاکستانی مصاحف کی اغلاط پر جو رپورٹ تیار کی ہے، اس میں ان
کلمات اربعہ میں سے موخر الذکر دو کلمات میں 'س' کی وضع (پوزیشن) کی غلطی کو ضبط کی اغلاط میں شمار کیا گیا ہے۔
[رپورٹ مذکورہ ص ۱۰ (ضبط: ۳)] اس لیے ہم نے بھی ان کا ذکر اسی ضمن میں کر دیا ہے۔

مخصوص نطقی کیفیات

● مذکورہ بالا عام علامات ضبط کے علاوہ کچھ ایسی علامات بھی ہیں جن کا تعلق مخصوص نطقی کیفیات یعنی قراءت
کے کسی مخصوص طریقہ اداسے ہے، مثلاً امالہ، اشام، روم، اختلاس اور تفخیم یا ترقیق، قلقلۃ وغیرہ۔ یوں تو ان
کو حرکات ثلاثہ کے بعد بیان کرنا چاہئے اور کتب ضبط میں عموماً یہی ترتیب ملحوظ رکھی جاتی ہے کیونکہ دراصل تو یہ کسی
حرکت کا ہی مخصوص صوتی یا نطقی طریقہ اداء ہوتا ہے، مگر ہم اس کی مخصوص نوعیت کی بنا پر آخر پر لائے ہیں اور اس
لے بھی کہ یہ سب کیفیات اول تو تمام قراءت میں نہیں پائی جاتیں، دوسرے ان کا استعمال بہت کم بعض معدود
کلمات تک محدود ہے اور تیسرے اس لیے بھی کہ یہ کیفیات ایک طرح سے تجوید کے تکمیلی مراحل سے متعلق ہیں،
اس لیے بھی ان کا بیان آخر پر ہونا چاہئے، لہذا ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں:

● امالہ اور اشام کا چونکہ روایت حفص میں ایک ایک مقام ہے یعنی ہود: ۴۱ اور یوسف: ۱۱، اس لیے بعض مصاحف

میں تو اس کے لیے کوئی علامت مقرر کرنے کی بجائے متعلقہ لفظ کے نیچے باریک قلم سے 'امالہ' یا 'اشام' لکھ دیتے ہیں۔ [دیکھئے مصحف الحلبی اور ترکی مصاحف بقلم حافظ عثمان و حامد ایتاج متعلقہ آیات]۔ بعض مصاحف میں اس کے لیے نہ کوئی علامت بناتے اور نہ ہی کسی اور طریقے سے اشارہ کرتے ہیں، مثلاً ایرانی مصاحف اور عام پاکستانی مصاحف، البتہ ایسے پاکستانی مصاحف میں سورہ ہود آیت: ۴۱ کے سامنے حاشیہ پر یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ امام حفص رحمہ اللہ نے یہاں 'راء' کو امالہ سے پڑھا ہے۔ اشام کے لیے عام پاکستانی مصاحف میں بھی کوئی علامت یا اشارہ موجود نہیں۔ یہ علامت کی بجائے بصورت لفظ 'اشام' یا 'امالہ' رہنمائی اصطلاح سے واقف آدمی کے لیے تو مفید ہو سکتی ہے مگر عام صرف ناظرہ خواں قاری کے لیے بے فائدہ ہے۔

بعض مصاحف میں اس ایک ایک مقام کے لیے الگ علامت وضع کی گئی ہے اور 'ضمیمۃ التعریف' یا مقدمہ میں اس کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ [دیکھئے تجویدی قرآن (مقدمہ) ص ۲۲، مصری مصحف (ضمیمہ ص م)۔ مصحف الجماہیریہ (ضمیمہ) ص م و ن مصحف المدینہ (ضمیمہ ص و)۔ ان سب میں امالہ و اشام کے لیے متضاد اور مختلف علامات تجویز کی گئی ہیں، نیز اشام (کلمات مشتمہ) کی مزید وضاحت کے لیے دیکھئے: حق التلاوة ص ۴۳]

● ورش، قائلون اور الدوری کی روایات میں امالہ کبریٰ بھی حفص والے امالہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر آیا ہے، مثلاً قائلون کے ہاں 'ھار' التوبة: ۱۰۹ میں اور ورش کے ہاں لفظ 'طہ' میں۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں امالہ صغریٰ (تقلیل) زیادہ ہے۔ الدوری کے ہاں بھی دونوں قسم کے 'امالے' موجود ہیں، اسی لیے سوڈانی مصحف میں ہر دو امالہ کے لیے الگ الگ علامات اختیار کی گئی ہیں۔ [کتابۃ المصحف ص ۱۹ و ۲۰ نیز دیکھئے سوڈانی مصحف (بروایۃ الدوری) کا ضمیمۃ التعریف ص ن اور سب جہاں امالہ کبریٰ اور امالہ صغریٰ کی الگ الگ علامات معاً مثلاً مذکور ہیں۔]

● روم ایک خاص نطقی کیفیت ہے جو ماہر اساتذہ سے زبانی سیکھی جاسکتی ہے۔ [حق التلاوة ص ۴۲ و ۴۳] کہا جاتا ہے کہ الخلیل رحمہ اللہ نے اس کے لیے بھی کوئی علامت تجویز کی تھی۔ [دیکھئے: اسی مقالہ کا پیرا گراف ۲۱ اور حاشیہ ۵۰] مگر اب مصاحف میں اس کے لیے کوئی علامت نہیں لگائی جاتی کیونکہ اس کی تعلیم شفوئی ہی ہو سکتی ہے۔

● اختلاس کا استعمال بھی چند ایک قراءت میں اور چند کلمات میں ہے، مثلاً قائلون اور الدوری کے ہاں اس کے لیے بطور علامت متعلقہ حرف کے اوپر یا نیچے ایک گول نقطہ بغیر حرکت کے لکھ دیتے ہیں۔ ایسا ہی گول نقطہ بعض دفعہ امالہ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ [مصحف الجماہیریہ (التعریف) ص م اور سوڈانی مصحف (التعریف) ص م و ع]

● بعض خاص حروف مثلاً 'ل' اور 'ر' کی تفخیم یا ترقیق کے قواعد کتب تجوید میں بیان کئے جاتے ہیں، خصوصاً لام جلالۃ اللہ کے ضمن میں، مگر کسی کتاب ضبط وغیرہ میں اس کے لیے کوئی علامت ضبط کبھی تجویز نہیں کی گئی۔ یہ پاکستان "تجویدی قرآن مجید" کی ہی خصوصیت ہے کہ اس میں لام جلالۃ کی تفخیم اور ترقیق کے لیے مخصوص علامت ضبط اور حرف 'ر' کی ہم یا ترقیق کے لیے 'یار' کا مخصوص طریق کتابت اختیار کیا گیا ہے۔

[وضاحت کے لیے دیکھئے: تجویدی قرآن مجید کا مقدمہ ص ۱۸ اور ص ۲۲ و ۲۳]

● حروف 'قطب جد' جب ساکن ہوتے ہیں تو ان کا تلفظ مخرج میں ایک خاص دباؤ کے ساتھ نکلتا ہے، اس نطقی کیفیت کو قلقلۃ کہتے ہیں۔ امالہ کی طرح قلقلۃ بھی دو قسم کا ہوتا ہے: قلقلۃ صغریٰ اور قلقلۃ کبریٰ [حق

التلاوة ص ۸۴ اور ۸۵] تاہم نہ تو کتب ضبط میں اس کے لیے کوئی علامت مذکور ہوئی ہے اور نہ مصاحف کی کتابت میں کہیں کوئی مستعمل علامت نظر سے گذری ہے۔ اس طرح یہ بھی پاکستانی تہجیدی قرآن کی ہی خصوصیت ہے کہ اس میں حروف قلقلہ یعنی قُطْبُ جَدَّ کے لیے ایک مخصوص علامت سکون ۸ اختیار کی گئی ہے۔

[تجویدی قرآن مجید (مقدمہ) ص ۱۳]

● تعریہ یعنی حروف کو علامت ضبط سے خالی رکھنے کے بارے میں بھی بلاذشرقی اور بلاذعرب اور افریقہ میں مختلف قواعد رائج ہیں۔ ان میں سے اکثر کا ذکر ادغام اور حروف زوائد کے ضمن میں گزر چکا ہے، اعادہ غیر ضروری ہے۔

● کتابت مصاحف میں علامات ضبط اتنے متنوع اور مفصل استعمال کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ محض علامات ضبط کی بنا پر استناد کی شغوی تعلیم اور تلقی و سماع کے بغیر صحیح نطق اور درست قراءت اور ٹھیک ٹھیک 'اداء' کا سیکھنا ممکن نہیں۔ علامات ضبط قراءت میں مدد و معاون ہیں مگر شغوی تعلیم سے مستغنی نہیں اور نہ ہی استاد کا بدل ہیں۔

● کتابت مصاحف میں علامات ضبط کے اس کثیر التنوع استعمال سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ علم الضبط کو علم الرسم کی طرح کی کوئی ایسی تقدیس حاصل نہیں ہے کہ کسی ایک زمانے یا کسی ایک علاقے میں رائج طریق ضبط کی پابندی کو واجب قرار دیا جائے۔ [کتابتہ المصحف ص ۱۸ اور ص ۳۸]

● اول تو روایات قراءت کے اختلاف یا اداء کے اختلاف کے بناء پر علامت ضبط کا اختلاف لازمی ہے، گویہ اختلاف تنوع ہے اختلاف تضاد نہیں ہے۔ [ایضاً ص ۴۴] اس وقت دنیا بھر میں چار روایات کے ساتھ مطبوعہ مصاحف دستیاب ہیں، یعنی حفص عن عاصم، ورش عن نافع، قالون عن نافع اور الدوری عن ابی عمرو رحمہم اللہ۔ جس ملک اور جس علاقے میں جو قراءت متداول ہے، وہاں عام آدمی کے لیے دوسری قراءت کے ساتھ مطبوعہ مصحف سے درست تلاوت ہرگز ممکن نہیں ہوگی۔ حکومت سوڈان کے بروایۃ الدوری مصحف شائع کرنے کی وجہ یہی ہوئی کہ سوڈان میں صدیوں سے قراءت تو الدوری کی رائج تھی، جس کے لیے قلمی مصاحف کا خریدنا بوجہ گرانی قیمت دشوار تھا۔ مصر سے درآمدہ روایۃ حفص کے مطبوعہ مصاحف کم ہدیہ پر ملتے تھے۔ اس سے اہل سوڈان کی قراءت نہ الدوری کی رہی اور نہ ہی حفص کی۔ علمائے سوڈان اور حکومت سوڈان کی اس سلسلے میں جملہ مساعی کی تفصیل وہاں کی وزارت اوقاف کے تعارفی کتابچے 'کتابتہ المصحف الشریف میں دی گئی ہے۔

● ایک ہی قراءت کی صورت میں بھی علامات ضبط مختلف استعمال کی جاتی رہی ہیں اور آج بھی یہ زمانی اور مکانی اختلاف موجود ہے۔ مصر اور تمام ایشیائی ممالک میں روایت حفص عن عاصم ہی رائج ہے، مگر مصر، ترکی، ایران، برصغیر اور چین وغیرہ میں رائج علامات ضبط میں بڑا تنوع ہے، جس کی کچھ جھلک اسی مقالہ میں پیش کی گئی ہے۔ کم و بیش یہی حال اُن افریقی ملکوں کے مصاحف کا ہے جہاں قراءۃ ورش متداول ہے۔

● اگر ایک ہی روایت قراءت، مثلاً حفص والے تمام اسلامی ملک مل کر اور متفقہ طور پر اپنے ہاں رائج قراءت کے لیے یکساں علامات ضبط مقرر کر کے اس کو نافذ کرنے کا منصوبہ بنا سکیں تو یہ یقیناً ایک متحسن اقدام ہوگا، مگر علامات ضبط کے اختیار اور انتخاب میں کسی علاقائی ترجیح کی بجائے افادیت، جامعیت اور اختصار کو سامنے رکھا جائے۔